سیرت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از قلم

حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سیرتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

احمد قادیانی علیہ السلام اور آپؑ کے خاندانی حالات

احمدؑ جو سلسلہ احمدیہ کے بانی تھے آپ کا پورا نام غلام احمد تھا۔ اور آپ قادیان کے باشندے تھے جو بٹالہ ریلوے اسٹیشن سے گیارہ میل امرتسر سے چوبیس میل اور لاہور سے قریباً ستر میل جانب مشرق پر ایک قصبہ ہے۔ آپ قریباً ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء میں اسی گاؤں میں مرزا غلام مرتضٰی صاحب کے ہاں جمعہ کے دن پیدا ہوئے*۔ اور آپ کی ولادت توام تھی یعنی آپ کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی جو تھوڑی ہی مدت کے بعد فوت ہو گئی۔

پیشتر اس کے کہ میں آپ کے حالات بیان کروں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً آپ کے خاندان کے بھی کچھ حالات بیان کر دیئے جائیں۔

آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں ایک معزز خاندان تھا اور اس کا سلسلہ نسب برلاس سے جو امیر تیمور کا چچا تھا ملتا ہے اور جب کہ امیر تیمور نے علاقہ کش پر بھی جس پر اس کا چچا حکمران تھا قبضہ کر لیا تو برلاس خاندان خراسان میں چلا آیا اور ایک مدت تک یہیں رہا لیکن دسویں صدی ہجری یا سولہویں صدی مسیحی کے آخر میں اس خاندان کا ایک ممبر مرزا ہادی بیگ بعض غیر معلوم وجوہات کے باعث اس ملک کو چھوڑ کر قریباً دو سو آدمیوں سمیت ہندوستان آ گیا

* حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی تحقیقات کی رو سے حضرت اقدس علیہ السلام کی پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء ہے۔ منہ

اور دریائے بیاس کے قریب کے علاقہ میں اس نے اپنا ڈیرہ لگایا اور بیاس سے نو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں بسایا اور اس کا نام اسلام پور رکھا (یعنی اسلام کا شہر) چونکہ آپ ایک نہایت قابل آدمی تھے دہلی کی حکومت کی طرف سے اس علاقہ کے قاضی مقرر کئے گئے - اور اس عہدہ کی وجہ سے آپ کے گاؤں کا نام بجائے اسلام پور کے اسلام پور قاضی ہو گیا یعنی اسلام پور جو قاضی کا مقام ہے اور بگڑتے بگڑتے اسلام پور کا نام تو بالکل مٹ گیا اور صرف قاضی رہ گیا جو پنجابی تلفظ میں قادی بن گیا اور آخر اس سے بگڑ کر اس گاؤں کا نام قادیان ہو گیا -

غرض مرزا ہادی بیگ صاحب نے خراسان سے آکر بیاس کے پاس ایک گاؤں بسا کر اس میں بود و باش اختیار کی اور اسی جگہ پر ان کا خاندان ہمیشہ قیام پذیر رہا اور باوجود دہلی پایہ تخت حکومت سے دور رہنے کے اس خاندان کے ممبر مغلیہ حکومت کے ماتحت معزز عہدوں پر مامور رہے اور جب مغلیہ خاندان کو ضعف پہنچا اور پنجاب میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو یہ خاندان ایک آزاد حکمران کے طور پر قادیان کے ارد گرد کے علاقہ پر جو قریباً ساٹھ میل کا رقبہ تھا حکمران رہا لیکن سکھوں کے زور کے وقت رام گڑھیا سکھوں نے بعض اور خاندانوں کے ساتھ مل کر اس خاندان کے خلاف جنگ شروع کی اور گو ان کے پڑدادا نے تو اپنے زمانہ میں ایک حد تک دشمن کے حملوں کو روکا لیکن آہستہ آہستہ حضرت مرزا صاحبؑ کے دادا کے وقت اس ریاست کی حالت ایسی کمزور ہو گئی کہ صرف قادیان جو اس وقت ایک قلعہ کی صورت میں تھا اور اس کے چاروں طرف فصیل تھی ان کے قبضہ میں رہ گیا اور باقی سب علاقہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور آخر بعض گاؤں کے باشندوں سے سازش کر کے سکھ اس گاؤں پر بھی قابض ہو گئے - اور اس خاندان کے سب مرد و زن قید ہو گئے - لیکن کچھ دنوں کے بعد سکھوں نے ان کو اس علاقہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی اور ریاست کپورتھلہ میں چلے گئے - اور وہاں قریباً سولہ سال رہے - اس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ آ گیا اور انہوں نے سب چھوٹے چھوٹے راجوں کو اپنے ماتحت کر لیا اور اس انتظام میں حضرت مرزا صاحبؑ کے والد کو بھی اس کی جاگیر کا بہت کچھ حصہ واپس کر دیا اور وہ اپنے بھائیوں

سمیت مہاراجہ کی فوج میں ملازم ہو گئے - اور جب انگریزی حکومت نے سکھوں کی حکومت کو تباہ کیا تو ان کی جاگیر ضبط کی گئی - مگر قادیان کی زمین پر ان کو مالکیت کے حقوق دیئے گئے -

آپؑ کا خاندانی تذکرہ تاریخوں میں

ان مختصر حالات لکھنے کے بعد سر لیپل گریفن کی کتاب "پنجاب چیفس" کا وہ حصہ جو حضرت مرزا صاحبؑ کے خاندان کے متعلق ہے ہم لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں -

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمر قند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کی - یہ کسی قدر پڑھا لکھا آدمی * تھا اور قادیان کے گرد و نواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا - کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بدلتے بدلتے قادیان * ہو گیا - کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہو گیا تھا - مرزا گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیا اور کنھیا مسلوں سے جن کے قبضہ میں قادیان کے گرد و نواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے - آخر کار اپنی تمام جاگیر کو کھو کر عطا محمد بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ * کی پناہ میں چلا گیا - اور بارہ سال تک امن و امان سے زندگی بسر کی - اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیا مسل کے تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا غلام مرتضٰی کو قادیان واپس بلا لیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا - اس پر غلام مرتضٰی اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور

* دراصل وہ بہت ذی علم و فہم اور مومن مرد خدا تھا - (ناقل)
* پنجابی لوگ "ض" کو "د" بولتے ہیں - اس لئے اسلام پور قاضیاں کا نام صرف قاضیاں یعنی قادیاں بن گیا اور اسلام پور بالکل حذف ہو گیا - (ناقل)
* یہ نام یعنی اہلووالیہ مسل - رام گڑھیا مسل کنھیا مسل سکھوں کے گروہوں کے نام ہیں -

کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔ نونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربارِ لاہور کے دَور دَورے میں غلام مرتضٰی ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لئے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جارہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خان ساہیوال اور صاحب خان ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔

الحاق کے موقعہ پر اس خاندان کی جاگیر ضبط کی گئی مگر ۷۰۰ روپیہ کی پنشن غلام مرتضٰی اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔

اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضٰی نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جرنیل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جب کہ افسر موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔

غلام مرتضٰی جو ایک لائق حکیم تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا اور

اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سرٹیفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصہ تک گورداسپور میں دفتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کم سنی میں فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنٰی کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی۔ اب اکسٹرا اسسٹنٹ ہے۔ یہ قادیان کا نمبردار بھی ہے۔ نظام الدین کا بھائی امام دین جو ۱۹۰۴ء میں فوت ہوا دہلی کے محاصرے کے وقت ہاڈسن ہورس (رسالہ) میں رسالدار تھا۔ اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا۔

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ غلام احمدؐ جو غلام مرتضٰی کا چھوٹا بیٹا تھا مسلمانوں کے ایک مشہور مذہبی فرقہ احمدیہ کا بانی ہوا۔ یہ شخص ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا اور اس کو تعلیم نہایت اچھی ملی۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے موجب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ یہ ایک عالم اور منطقی تھا اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور اب جماعت احمدیہ کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ جن میں اس نے جہاد کے مسئلہ کی تردید کی۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر اچھا اثر کیا ہے۔ مدت تک یہ بڑی مصیبت میں رہا کیونکہ مخالفین مذہب سے اس کے اکثر مباحثے اور مقدمے رہے۔ لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی اس نے ایک رتبہ حاصل کر لیا کہ وہ لوگ بھی جو اس کے خیالات کے مخالف تھے اس کی عزت کرنے لگے۔ اس فرقہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بہت بڑا اسکول کھولا ہے اور چھاپہ خانہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے اس فرقہ کے متعلق خبروں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمدؐ کا خلیفہ ایک مشہور حکیم مولوی نورالدین ہے جو چند سال

مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہا ہے۔
اس خاندان کا سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے حقوق مالکانہ ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فیصدی حقوق تعلقداری حاصل ہیں *۔"

پیدائش حضرت اقدسؑ و زمانہ طفولیت و تذکرہ والد بزرگوار

حضرت مرزا صاحبؑ کے خاندان کے مختصر حالات لکھنے کے بعد ہم آپ کے حالات بیان کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے آپ ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء * میں پیدا ہوئے تھے جو کہ آپ کے والد کے عروج کا زمانہ تھا کیونکہ اس وقت ان کو جاگیر کے بعض مواضع اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجی خدمت کی وجہ سے اچھی عظمت حاصل تھی لیکن منشاء الٰہی یہ تھا کہ ایک ایسے رنگ میں پرورش پائیں جس میں آپ کی توجہ خداتعالیٰ کی طرف ہو۔ اس لئے آپ کی پیدائش کے تین ہی سال بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے ساتھ ہی سکھ حکومت پر زوال آ گیا اور اس زوال کے ساتھ آپ کے والد صاحب بھی مختلف تفکرات میں مبتلا ہو گئے اور آخر الحاق پنجاب کے موقع پر ان کی جائیداد ضبط ہو گئی اور باوجود ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے وہ اپنی جاگیر واپس نہ لے سکے جس کا صدمہ ان کے دل پر آخری دم تک رہا چنانچہ خود حضرت مرزا صاحب اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیرویٔ مقدمات میں ستر ہزار کے قریب روپیہ خرچ کیا تھا جس کا انجام آخر کار ناکامی تھی کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ

* پنجاب چیفس (تذکرہ روسائے پنجاب) از سر لیپل ایچ گریفن کرنل میسی ترجمہ سید نوازش علی جلد ۲ صفحہ ۷۰-۶۶ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

* حضرت اقدس علیہ السلام کی اصل پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء ثابت ہے۔ پبلشر

سے نکل چکے تھے اور ان کا واپس آنا ایک خام خیال تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقع حاصل ہوتا تھا کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیاوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کیلئے کرتا تو آج شاید قطبِ وقت یا غوثِ وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عمر بگذشت نماند است جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے اور وہ یہ ہے

از درے تو اے کسے ہر بے کسے
نیست امیدم کہ بروم نا امید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔

بآب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرادے است کہ درخوں تپد بجائے کسے

حضرتِ عزت جلشانہٗ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بے ہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی *۔"

* کتاب البریہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۹-۱۸۷ بقیہ حاشیہ

بچپن ہی میں عبادت الٰہی کا شوق

اس تحریر سے جو حضرت مرزا صاحب نے اپنے والد کی اس حالت کے متعلق لکھی ہے جس میں آپ کے زمانہ طفولیت اور جوانی کے وقت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے رنگ میں آپ کی تربیت فرمائی تھی کہ جس کی وجہ سے دنیا کی محبت آپ کے دل میں پیدا ہی نہ ہونے پائی- اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے والد اور بڑے بھائی کی دنیاوی حالت اس وقت بھی ایسی تھی کہ وہ دنیاوی لحاظ سے معزز و ممتاز کہلاتے تھے اور حکام ان کا ادب و لحاظ کرتے تھے لیکن پھر بھی ان کا دنیا کے پیچھے پڑنا اور اپنی ساری عمر اس کے حصول کے لئے خرچ کر دینا لیکن پھر بھی ان کا اس حد تک ان کو حاصل نہ ہونا جس حد تک کہ وہ اس پر خاندانی حق خیال کرتے تھے اس پاک دل کو جو اپنے اندر کسی قسم کی میل نہ رکھتا تھا یہ بتا دینے کے لئے کافی تھا کہ دنیا روزے چند اور آخرت باخداوند- چنانچہ اس نے اپنے بچپن کی عمر سے اس سبق کو ایسا یاد کیا کہ اپنی وفات تک نہ بھلایا- اور گو دنیا طرح طرح کے خوبصورت لباسوں میں اس کے سامنے آئی اور اس کو اپنے راستہ سے ہٹا دینے کی کوشش کی لیکن اس نے کبھی اس کی طرف التفات نہ کی- اور اس سے ایسی جدائی اختیار کی کہ پھر اس سے کبھی نہ ملا-

غرض مرزا صاحب کو اپنی بچپن کی عمر سے ہی اپنے والد صاحب کی زندگی میں ایک ایسا تلخ نمونہ دیکھنے کا موقع ملا کہ دنیا سے آپ کی طبیعت سرد ہو گئی اور جب آپ بہت ہی بچہ تھے تب بھی آپ کی تمام تر خواہشات رضائے الٰہی کے حصول میں ہی لگی ہوئی تھیں- چنانچہ آپ کے سوانح نویس شیخ یعقوب علی صاحبؓ آپ کے سوانح میں ایک عجیب واقعہ جو آپ کی نہایت بچپن کی عمر کے متعلق ہے تحریر کرتے ہیں- وہ یہ ہے کہ جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ اپنی ہم سن لڑکی کو جس سے بعد میں آپ کی شادی بھی ہو گئی کہا کرتے تھے کہ

"نامرادے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے"

اس فقرہ سے جو نہایت بچپن کی عمر کا ہے پتہ چلتا ہے کہ نہایت بچپن کی عمر سے آپ کے دل میں کیسے جذبات موجزن تھے اور آپ کی خواہشات کا مرکز کس طرح خدا ہی خدا ہو رہا تھا اور ساتھ ہی اس ذہانت کا پتہ چلتا ہے جو بچپن کی عمر سے آپ کے اندر پیدا ہو گئی تھی- کیونکہ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی آپ تمام خواہشات کو پورا کرنے والا خدا تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے اور عبادت کی توفیق کا دینا بھی اسی پر موقوف جانتے تھے- نماز پڑھنے کی خواہش کرنا اور اس خواہش کو پورا کرنے والا خدا تعالیٰ کو ہی جاننا اور پھر اس گھر میں پرورش پا کر جس کے چھوٹے بڑے دنیا کو ہی اپنا خدا سمجھ رہے تھے ایک ایسی بات ہے جو سوائے کسی ایسے دل کے جو دنیا کی ملونی سے ہر طرح پاک ہو اور دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دینے کے لئے خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو نہیں نکل سکتی-

حصول تعلیم کا زمانہ

جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے ہیں وہ نہایت جہالت کا زمانہ تھا اور لوگوں کی تعلیم کی طرف بہت کم توجہ تھی- اور سکھوں کے زمانہ کی بات تو یہاں تک مشہور ہے کہ اگر کسی کے نام کسی دوست کا کوئی خط آ جاتا تو اس کے پڑھوانے کے لئے اسے بہت مشقت اور محنت برداشت کرنی پڑتی تھی اور بعض دفعہ مدت تک خط پڑا رہتا تھا- اور بہت سے رؤساء بالکل ان پڑھ تھے- لیکن خدا تعالیٰ نے چونکہ آپ سے بہت بڑا کام لینا تھا- اس لئے آپ کی تعلیم کا اس نے آپ کے والد کے دل میں شوق پیدا کر دیا اور باوجود ان دنیاوی تفکرات کے جن میں وہ مبتلا تھے انہوں نے اس جہالت کے زمانہ میں بھی اپنی اولاد کو اس زمانہ کے مناسب حال تعلیم دلانے میں کوتاہی نہ کی- چنانچہ جب آپ بچہ ہی تھے تو آپ کے والد نے ایک استاد آپ کی تعلیم کے لئے ملازم رکھا جس کا نام فضل الٰہی تھا- ان سے حضرت مرزا صاحب نے قرآن مجید اور فارسی کی چند کتب پڑھیں- اس کے بعد دس سال کی عمر میں فضل احمد نام ایک استاد

ملازم رکھے گئے یہ استاد نہایت نیک اور دیندار آدمی تھا اور جیسا کہ حضرت مرزا صاحب خود تحریر فرماتے ہیں آپ کو نہایت محنت اور محبت سے تعلیم دیتا تھا- اس استاد سے حضرت صاحب نے صرف ونحو کی بعض کتب پڑھیں- اس کے بعد سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں مولوی گل علی شاہ آپ کی تعلیم کے لئے ملازم رکھے گئے- ان سے نحو منطق اور حکمت کی چند کتب آپ نے پڑھیں اور فن طبابت کی چند کتب اپنے والد صاحب سے جو ایک نہایت تجربہ کار طبیب تھے پڑھیں اور یہ تعلیم ان دنوں کے لحاظ سے جن میں آپ تعلیم پارہے تھے بہت بڑی تعلیم تھی- لیکن در حقیقت اس کام کے مقابلہ میں جو آپ نے کرنا تھا کچھ بھی نہ تھی- چنانچہ ہم نے بعض وہ آدمی دیکھے ہیں جو آپ کے ساتھ استادوں سے پڑھتے تھے جن کو آپ کے والد صاحب نے آپ کی تعلیم کے لئے ملازم رکھا تھا اور وہ نہایت معمولی لیاقت کے آدمی تھے اور ان کو ایک معمولی خواندہ آدمی سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی- اور جو استاد آپ کی تعلیم کے لئے ملازم رکھے گئے تھے وہ بھی کوئی بڑے عالم نہ تھے کیونکہ اس وقت علم بالکل مفقود تھا اور فارسی اور عربی کی چند کتب کا پڑھ لینے والا بڑا عالم خیال کیا جاتا تھا- پس جن حالات کے ماتحت اور جن استادوں کی معرفت آپ کی تعلیم ہوئی وہ ایسے تھے کہ ان کی وجہ سے آپ کو کوئی ایسی تعلیم نہیں مل سکتی تھی جو اس کام کے لئے آپ کو تیار کر دیتی جس کے کرنے پر آپ نے مبعوث ہونا تھا- ہاں اس قدر اس تعلیم کا نتیجہ ضرور ہوا کہ آپ کو فارسی اور عربی پڑھنی آگئی- اور فارسی میں اچھی طرح سے اور عربی میں قدرے قلیل آپ بولنے بھی لگ گئے تھے اس سے زیادہ آپ نے کوئی تعلیم نہیں حاصل کی اور دینی تعلیم تو باقاعدہ طور پر کسی استاد سے حاصل نہیں کی- ہاں آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آپ اپنے والد صاحب کے کتب خانہ کے مطالعہ میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ بارہا آپ کے والد صاحب کو ایک تو اس وجہ سے کہ آپ کی صحت کو نقصان نہ پہنچے اور ایک اس وجہ سے کہ آپ اس طرف سے ہٹ کر ان کے کام میں مددگار ہوں آپ کو روکنا پڑتا تھا-

ملازمت کے حالات اور مسیحیوں سے مباحثات

جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے اس وقت گورنمنٹ برطانیہ کی حکومت پنجاب میں مستحکم ہو چکی تھی- غدر کا پُر آشوب زمانہ بھی گذر چکا تھا اور اہل ہند اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اب اس گورنمنٹ کی ملازمت ہی میں تمام عزت ہے اس لئے مختلف شریف خاندانوں کے نوجوان اس کی ملازمت میں داخل ہو رہے تھے- ایسے حالات کے ماتحت اور اس بات کو معلوم کر کے کہ حضرت مرزا صاحب کی طبیعت زمینداری کے کاموں میں بالکل نہیں لگتی اپنے والد صاحب کے مشورہ سے آپ سیالکوٹ بحصول ملازمت تشریف لے گئے- اور وہاں ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں ملازم ہو گئے مگر اکثر وقت علمی مشاغل میں ہی گذرتا اور ملازمت سے فراغت کے اوقات میں یا تو آپ خود مطالعہ کرتے یا دوسرے لوگوں کو پڑھاتے تھے یا مذہبی مباحث میں حصہ لیتے تھے اور اس وقت بھی آپ کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا اتنا اثر تھا کہ باوجود اس کے کہ آپ بالکل نوجوان تھے اور صرف اٹھائیس سال کی عمر تھی مگر بوڑھے بوڑھے آدمی مسلمانوں میں سے بھی اور ہندوؤں میں سے بھی آپ کی عزت کرتے تھے لیکن آپ کی عادت اس وقت بھی خلوت پسندی کی تھی- اپنے مکان سے باہر کم جاتے اور اکثر وقت وہیں گزارتے- مسیحی مشن ان دنوں پنجاب میں نیا نیا آیا تھا اور مسلمان ان کے حملوں سے ناواقف تھے اور اکثر مسیحیوں سے شکست کھاتے تھے- لیکن حضرت مرزا صاحب سے جب کبھی بھی مسیحیوں کی گفتگو ہوئی ان کو نیچا دیکھنا پڑا- چنانچہ پادریوں میں سے جو لوگ حق پسند تھے وہ باوجود اختلاف مذہبی کے آپ کی بہت عزت کرتے- چنانچہ آپ کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ ریورنڈ بٹلر ایم-اے جو سیالکوٹ کے مشن میں کام کرتے تھے اور جن سے حضرت مرزا صاحب کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لئے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے

پوچھا کہ کس طرح تشریف لائے ہیں تو ریورنڈ مذکور نے کہا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے اور جہاں آپ بیٹھے تھے وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے - یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب کہ گورنمنٹ برطانیہ کی نئی نئی فتح کو پادری لوگ اپنی فتح کی علامت قرار دیتے تھے اور ان میں تکبر اس قدر سرایت کر گیا تھا کہ ان دنوں میں جو کتب اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحبان نے اس وقت شاید یہ خیال کر رکھا تھا کہ چند ہی روز میں تمام مسلمانوں کو پکڑ کر بزور شمشیر گورنمنٹ مسیحی بنالے گی اور وہ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سخت سے سخت الفاظ استعمال کرنے سے بھی نہ رکتے تھے - حتیٰ کہ بعض دانا یوروپین صاحبان کو ہی ان تصانیف کو دیکھ کر لکھنا پڑا کہ ان تحریروں کی وجہ سے اگر دوبارہ ۵۷ء کی طرح غدر ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں - اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ مسیحی پادریوں کو یہ یقین نہ ہو گیا کہ ہندوستان میں حکومت انگلستان کی ہے نہ کہ پادریوں کی - اور یہ کہ کوئین وکٹوریہ کی گورنمنٹ بزور شمشیر دین مسیحی پھیلانے کی ہرگز روادار نہیں اور وہ کبھی پسند نہیں کرتی کہ کسی مذہب کی ناجائز طور پر دل آزاری کی جائے - غرض اس وقت مسیحیوں اور مسلمانوں کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے اور پادریوں کے اخلاق ان دنوں میں صرف انہی لوگوں تک محدود ہوتے تھے جو ان کی باتوں کی تصدیق کریں - اور جو آگے سے جواب دے بیٹھیں ان کے خلاف ان کا جوش بڑھ جاتا تھا لیکن باوجود اس کے کہ حضرت مرزا صاحب دین میں غیور تھے اور مذہبی مباحثات میں کسی سے نہ دبتے تھے ریورنڈ بٹلر آپ کی نیک نیتی اور اخلاص اور تقویٰ کو دیکھ کر متاثر تھے اور باوجود اس بات کو محسوس کرنے کے کہ یہ شخص میرا شکار نہیں ہاں ممکن ہے کہ میں اس کا شکار ہو جاؤں اور باوجود اس طبعی نفرت کے جو ایک صید کو صیاد سے ہوتی ہے وہ دوسرے مذہبی مناظرین کی نسبت مرزا صاحب سے مختلف سلوک کرنے پر مجبور ہوئے اور جاتے وقت کچہری میں ہی آپ سے ملنے کے لئے آگئے اور آپ سے ملے بغیر جانا پسند نہ کیا -

علیحدگی ملازمت اور پیروی مقدمات

قریباً چار سال آپ سیالکوٹ میں ملازم رہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ - آخر والد صاحب کے لکھنے پر فوراً استعفیٰ دے کر واپس آگئے اور اپنے والد صاحب کے حکم کے ماتحت ان کے زمینداری کے مقدمات کی پیروی میں لگ گئے - لیکن آپ کا دل اس کام پر نہ لگتا تھا - چونکہ آپ اپنے والدین کے نہایت فرمانبردار تھے اس لئے والد صاحب کا حکم تو نہ ٹالتے تھے لیکن اس کام میں آپ کا دل ہرگز نہ لگتا تھا - چنانچہ ان دنوں کے آپ کو دیکھنے والے لوگ بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات کسی مقدمہ میں ہار کر آتے تو آپ کے چہرہ پر بشاشت کے آثار ہوتے تھے - اور لوگ سمجھتے کہ شاید فتح ہو گئی ہے - پوچھنے پر معلوم ہوتا کہ ہار گئے ہیں - جب وجہ دریافت کی جاتی تو فرماتے کہ ہم نے جو کچھ کرنا تھا کر دیا منشائے الٰہی یہی تھا اور اس مقدمہ کے ختم ہونے سے فراغت تو ہو گئی ہے - یاد الٰہی میں مصروف رہنے کا موقع ملے گا - یہ زمانہ آپ کا عجیب کشمکش کا زمانہ تھا - والد صاحب چاہتے تھے کہ آپ یا تو اپنے زمینداری کے کام میں مصروف ہوں یا کوئی ملازمت اختیار کریں - اور آپ ان دونوں باتوں سے متنفر تھے - اور اس لئے اکثر طعن و تشنیع کا شکار رہتے تھے جب تک آپ کی والدہ صاحبہ زندہ رہیں آپ پر ایک سپر کے طور پر رہیں - لیکن ان کی وفات کے بعد آپ اپنے والد صاحب اور بھائی صاحب کی ملامت کا اکثر نشانہ ہو جاتے اور بعض دفعہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کا دنیاوی کاموں سے متنفر ہونا سستی کی وجہ سے ہے - چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بعض دفعہ آپ کے والد نہایت افسردہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے بعد اس لڑکے کا کس طرح گزارہ ہو گا اور اس بات پر ان کو سخت رنج تھا کہ یہ اپنے بھائی کا دست نگر رہے گا - اور کبھی کبھی وہ آپ کے مطالعہ پر چڑ کر آپ کو ملاں بھی کہہ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ہمارے گھر میں ملاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے - لیکن باوجود اس کے خود ان کے دل میں بھی آپ کا رعب تھا اور جب کبھی وہ اپنی دنیاوی ناکامیابی کو یاد کرتے تھے تو دینی باتوں میں آپ کے استغراق کو دیکھ کر

خوش ہوتے تھے اور اس وقت فرماتے تھے کہ اصل کام تو یہی ہے جس میں میرا اپنا لگا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ اُن کی ساری عمر دنیا کے کاموں میں گذری تھی اس لئے افسوس کا پہلو غالب رہتا تھا۔ مگر حضرت مرزا صاحب اس بات کی بالکل پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ کسی کسی وقت قرآن حدیث اپنے والد صاحب کو بھی سنانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ اور یہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ باپ اور بیٹا دو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو شکار کرنا چاہتا تھا۔ باپ چاہتا تھا کہ کسی طرح بیٹے کو اپنے خیالات کا شکار کرے اور دنیاوی عزت کے حصول میں لگا دے اور بیٹا چاہتا تھا کہ اپنے باپ کو دنیا کے خطرناک پھندہ سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کی لو لگا دے۔ غرض یہ عجیب دن تھے جن کا نظارہ کھینچنا قلم کا کام نہیں۔ ہر ایک شخص اپنی اپنی طاقت کے مطابق اپنے دل کے اندر ہی اس کا نقشہ کھینچ سکتا ہے ان دنوں آپ کے سامنے پھر ملازمت کا سوال پیش ہوا اور ریاست کپور تھلہ کے محکمہ تعلیم کا افسر بنانے کی تجویز ہوئی۔ لیکن آپ نے نامنظور کر دیا اور اپنے والد صاحب کے ہموم و غموم کو دیکھ کر اس بات کو ہی پسند فرمایا کہ جس تنگی سے بھی گذارہ ہو گھر پر ہی رہیں۔ اور ان کے کاموں میں جہاں تک ہو سکے ہاتھ بٹائیں۔ گو جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے آپ کا دل اس کام کی طرف بھی راغب نہ تھا لیکن آپ اپنے والد صاحب کے حکم کے ماتحت ان کے آخری ایام کو جہاں تک ہو سکے با آرام کرنے کے لئے اس کام میں لگے ضرور رہتے تھے۔ گو فتح و شکست سے آپ کو دلچسپی نہ تھی۔

ایک مقدمہ میں نشانِ الٰہی

حضرت مسیح موعودؑ اس زمانہ میں اپنے والد صاحب کی مدد کیلئے ان کے دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے تھے لیکن آپ کا دل کسی اور طرف تھا اور "دست در کار دل بایار" کی مثال بنے ہوئے تھے۔ مقدمات سے ذرا فارغ ہوتے تو خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جاتے اور ان سفروں میں جو آپ کو ان دنوں مقدمات میں کرنے پڑتے آپ ایک وقت کی نماز بھی بے وقت

نہ ہونے دیتے بلکہ اپنے اوقات پر نماز ادا کرتے بلکہ مقدمات کے وقت بھی نماز کو ضائع نہ ہونے دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ آپ ایک ضروری مقدمہ کے لئے جس کا اثر بہت سے مقدمات پر پڑنا تھا اور جس کے آپ کے حق میں ہو جانے کی صورت میں آپ کے بہت سے حقوق محفوظ ہو جاتے تھے عدالت میں تشریف لے گئے۔ اس وقت کوئی ضروری مقدمہ پیش تھا اس میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ مجسٹریٹ تو اس مقدمہ میں مصروف ہے اور نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے تو آپ نے اس مقدمہ کو خدا کے حوالے کیا اور خود ایک طرف جا کر وضو کیا اور درختوں کے سایہ تلے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب نماز شروع کر دی تو عدالت سے آپ کے نام پر آواز پڑی۔ آپ آرام سے نماز پڑھتے رہے اور بالکل اس طرف توجہ نہ کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو یقین تھا کہ مقدمہ میں فریق مخالف کو یکطرفہ ڈگری مل گئی ہو گی۔ کیونکہ عدالت ہائے کا قاعدہ ہے کہ جب ایک فریق حاضرِ عدالت نہ ہو تو فریق مخالف کو یکطرفہ ڈگری دی جاتی ہے۔ اسی خیال میں عدالت میں پہنچے۔ چنانچہ جب عدالت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقدمہ فیصل ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ فیصلہ عدالت معلوم کرنا ضروری تھا جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ نے جو ایک انگریز تھا کاغذات پر ہی فیصلہ کر دیا اور ڈگری آپ کے حق میں دی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کی طرف سے وکالت کی۔ غرض آپ ان دنیاوی کاموں میں اسی طرح مشغول تھے جس طرح ایک شخص سے کوئی ایسا کام کرایا جائے جس کے کرنے پر وہ راضی نہ ہو حالانکہ وہ کام خود آپ کے نفع کا تھا۔ کیونکہ آپ کے والد صاحب کی جائیداد کا محفوظ ہونا در حقیقت آپ کی جائیداد کا محفوظ ہونا تھا کیونکہ آپ ان کے وارث تھے۔ پس آپ کا باوجود عاقل و بالغ ہونے کے اس کام سے بیزار رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دنیا سے بکلّی متنفر تھے اور خدا تعالیٰ ہی آپ کا مقصود تھا۔

محنت اور جفاکشی کی عادت

باوجود اس کے کہ آپ دنیا سے ایسے متنفر تھے آپ سست ہر گز نہ تھے بلکہ نہایت محنت کش تھے اور خلوت کے دلدادہ ہونے کے باوجود مشقت سے نہ گھبراتے تھے اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ آپ کو جب کسی سفر پر جانا پڑتا تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ آگے روانہ کر دیتے اور آپ پیادہ پا بیس پچیس کوس کا سفر طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتے - بلکہ اکثر اوقات آپ پیادہ ہی سفر کرتے تھے اور سواری پر کم چڑھتے تھے اور عادت پیادہ چلنے کی آپ کو آخر عمر تک تھی - ستر سال سے متجاوز عمر میں جب کہ بعض سخت بیماریاں آپ کو لاحق تھیں اکثر روزانہ ہواخوری کے لئے جاتے تھے - اور چار پانچ میل روزانہ پھر آتے اور بعض اوقات سات میل پیدل پھر لیتے تھے - اور بڑھاپے سے پہلے کا حال آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات صبح کی نماز سے پہلے اٹھ کر (نماز کا وقت سورج نکلنے سے سوا گھنٹہ پہلے ہوتا ہے) سیر کیلئے چل پڑتے تھے اور وڈالہ تک پہنچ کر (جو بٹالہ سڑک پر قادیان سے قریبا ساڑھے پانچ میل پر ایک گاؤں ہے) صبح کی نماز کا وقت ہوتا تھا -

مکالمہ الٰہیہ کا آغاز

آپ کی عمر قریبا چالیس سال کی تھی جب کہ ۱۸۷۶ء میں آپ کے والد صاحب یک دفعہ بیمار ہوئے اور گو ان کی بیماری چنداں خوفناک نہ تھی لیکن حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام بتایا کہ اَلطَّارِقُ وَمَا الطَّارِق یعنی رات کے آنے والے کی قسم - تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہے رات کو آنے والا - اور ساتھ ہی تفہیم ہوئی کہ اس الہام میں آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر دی گئی ہے جو کہ بعد مغرب واقعہ ہو گی - گو حضرت صاحب کو اس سے پہلے ایک مدت سے رؤیائے صالحہ ہو رہے تھے جو اپنے وقت پر نہایت صفائی سے پورے ہوتے تھے اور جن کے گواہ ہندو اور سکھ بھی تھے اور اب تک بعض ان میں سے موجود ہیں -

لیکن الہامات میں سے یہ پہلا الہام ہے جو آپ کو ہوا اور اس الہام کے ذریعہ سے گویا خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کے ساتھ آپ کو بتایا کہ تیرا دنیاوی باپ فوت ہوتا ہے لیکن آج سے میں تیرا آسمانی باپ ہوتا ہوں - غرض پہلا الہام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا یہی تھا جس میں آپ کو آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر دی گئی تھی - اس خبر پر بالطبع آپ کے دل میں رنج پیدا ہونا تھا - چنانچہ آپ کو اس خبر سے صدمہ پیدا ہوا - اور دل میں خیال گذرا کہ اب ہمارے گذارے کی کیا صورت ہو گی؟ جس پر دوسری دفعہ پھر الہام ہوا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے تسلی دی اس واقعہ کو میں اس جگہ خود حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں - آپ تحریر فرماتے ہیں :-

آپ کے والد کی وفات اور الٰہی تصرفات

"جب مجھے یہ خبر دی گئی کہ میرے والد صاحب آفتاب غروب ہونے کے بعد فوت ہو جائیں گے تو بموجب مقتضائے بشریت کے مجھے اس خبر کے سننے سے درد پہنچا - اور چونکہ ہماری معاش کے اکثر وجوہ انہی کی زندگی سے وابستہ تھے اور وہ سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن پاتے تھے اور نیز ایک رقم کثیر انعام کی پاتے تھے جو ان کی حیات سے مشروط تھی اس لئے یہ خیال گذرا کہ ان کی وفات کے بعد کیا ہو گا اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ شاید تنگی اور تکلیف کے دن ہم پر آئیں گے اور یہ سارا خیال بجلی کی چمک کی طرح ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں گذر گیا - تب اسی وقت غنودگی ہو کر یہ دوسرا الہام ہوا - اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے - اس الہام الٰہی کے ساتھ ایسا دل قوی ہو گیا کہ جیسے ایک سخت دردناک زخم کسی مرہم سے ایک دم میں اچھا ہو جاتا ہے .... جب مجھ کو الہام ہوا کہ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا کہ خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا - تب میں نے ایک ہندو کھتری ملاوامل نام کو جو ساکن قادیان

ہے اور ابھی تک زندہ ہے وہ الہام لکھ کر دیا اور سارا قصہ اس کو سنایا اور اس کو امرتسر بھیجا تاکہ حکیم مولوی محمد شریف کلانوری کی معرفت اس کو کسی نگینہ میں کھدوا کر اور مہر بنوا کر لے آوے اور میں نے اس ہندو کو اس کام کے لئے محض اس غرض سے اختیار کیا کہ تا وہ اس عظیم الشان پیشگوئی کا گواہ ہو جائے اور تا مولوی محمد شریف بھی گواہ ہو جاوے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ سے وہ انگشتری بصرف مبلغ پانچ روپے تیار ہو کر میرے پاس پہنچ گئی جو اب تک میرے پاس موجود ہے جس کا نشان یہ ہے (الیس اللہ بکاف عبدہٗ)"*

غرض جس دن حضرت صاحبؑ کے والد صاحب نے وفات پائی تھی اس دن مغرب سے چند گھنٹے پہلے ان کی وفات کی اطلاع آپ کو دے دی گئی۔ اور بعد میں خدا تعالیٰ نے تسلی فرما دی کہ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ خود ہی تمہارا انتظام فرماوے گا جس دن یہ الہامات ہوئے اسی دن شام کو بعد مغرب آپ کے والد صاحب فوت ہو گئے اور آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

بعض مشکلات پر آپ کا استقلال

آپ کے والد صاحب کی جائیداد کچھ مکانات اور دوکانات بٹالہ، امرتسر اور گورداسپور میں تھی۔ اور کچھ مکانات اور دوکانیں اور زمین قادیان میں تھی چونکہ آپ دو بھائی تھے اس لئے شرعاً و قانوناً وہ جائیداد آپ دونوں کے حصہ میں آتی تھی۔ چونکہ آپ کا حصہ آپ کے گذارہ کے لئے کافی تھا لیکن آپ نے اپنے بڑے بھائی سے وہ جائیداد تقسیم نہیں کرائی اور جو کچھ وہ دیتے اس پر گذارہ کر لیتے اور اس طرح گویا والد کے قائم مقام آپ کے بڑے بھائی ہو گئے۔ لیکن چونکہ وہ ملازم تھے اور گورداسپور رہتے تھے اس لئے ان دنوں آپ کو بہت

* حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۰-۲۱۹

تکلیف ہو گئی۔ حتیٰ کہ ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور یہ تکلیف آپ کو آپ کے بھائی کی وفات تک برابر رہی اور یہ گویا آپ کے لئے آزمائش کے سال تھے اور آپ نے ان آزمائش کے دنوں میں صبر و استقلال سے کام لیا وہ آپ کے درجہ کی بلندی کی بین علامت ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ آپ کا اپنے والد صاحب کی متروکہ جائیداد پر برابر کا حصہ تھا پھر بھی آپ نے ان کی دنیا کی رغبت دیکھ کر ان سے اپنا حصہ طلب نہ کیا اور محض کھانے اور کپڑے پر کفایت کی۔ گو آپ کے بھائی بھی اپنی طبیعت کے مطابق آپ کی ضروریات کے پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور آپ سے ایک حد تک محبت بھی رکھتے تھے اور کسی قدر ادب بھی کرتے تھے لیکن باوجود اس کے چونکہ وہ دنیاداری میں بالکل منہمک تھے اور حضرت صاحب دنیا سے بالکل متنفر تھے اس لئے وہ آپ کو ضرورت زمانہ سے ناواقف اور سست سمجھتے تھے اور بعض دفعہ اس بات پر اظہار افسوس بھی کرتے تھے کہ آپ کسی کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی اخبار کے منگوانے کیلئے آپ نے ان سے ایک نہایت قلیل رقم منگوائی تو انہوں نے باوجود اس کے کہ آپ کی جائیداد پر قابض تھے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اسراف ہے۔ کام تو کچھ کرتے نہیں اور یونہی بیٹھے کتب و اخبار کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ غرض آپ کے بھائی صاحب بوجہ دنیاداری میں کمال درجہ کے مشغول ہونے کے آپ کی ضروریات کو نہ خود سمجھ سکتے تھے اور نہ ان کو پورا کرنے کی طرف متوجہ تھے جس کی وجہ سے آپ کو بہت کچھ تکلیف پہنچتی۔ مگر اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے بھائی بھی اکثر قادیان سے باہر رہتے تھے اور ان کے پیچھے ان کے منتظمین آپ کے تنگ کرنے میں خاص طور پر کوشاں رہتے۔

آپ کا مجاہدہ اور ایثار اور خدمتِ اسلام

انہی ایام میں آپ کو بتایا گیا کہ الٰہی انعامات کے حاصل کرنے کیلئے کچھ مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے اور یہ کہ آپ کو روزے رکھنے چاہئیں۔ اس حکم کے ماتحت آپ نے متواتر چھ ماہ

کے روزے رکھے اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ آپ کا کھانا جب گھر سے آتا تو آپ بعض غرباء میں تقسیم کر دیتے اور جب روزہ کھول کر گھر سے کھانا منگواتے تو وہاں سے صاف جواب ملتا۔ اور آپ صرف پانی پر یا اور کسی ایسی ہی چیز پر وقت گذار لیتے اور صبح پھر آٹھ پہرہ ہی روزہ رکھ لیتے۔ غرض یہ زمانہ آپ کے لئے ایک بڑے مجاہدات کا زمانہ تھا جسے آپ نے نہایت صبر واستقلال سے گذارا۔ سخت سے سخت تکالیف کے ایام میں بھی اشارۃً اور کنایۃً کبھی جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے کی تحریک نہیں کی۔

نہ صرف روزوں کے دنوں میں بلکہ یوں بھی آپ کی ہمیشہ عادت تھی کہ ہمیشہ کھانا غرباء میں بانٹ دیتے تھے اور بعض دفعہ ایک چپاتی کا نصف جو ایک چھٹانک سے زیادہ نہیں ہو سکتا آپ کے لئے بچتا تھا اور آپ اسی پر گذارہ کرتے تھے۔ بعض دفعہ صرف چنے بھنوا کر کھا لیتے اور اپنا کھانا سب غرباء کو دے دیتے۔ چنانچہ کئی غریب آپ کے ساتھ رہتے تھے اور دونوں بھائیوں کی مجلسوں میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ایک بھائی کی مجلس میں سب کھاتے پیتے آدمی جمع ہوتے تھے اور دوسرے بھائی کی مجلس میں غریبوں اور محتاجوں کا ہجوم رہتا تھا۔ جن کو وہ اپنی قلیل خوراک میں شریک کرتا تھا اور اپنی جان پر ان کو مقدم کر لیتا تھا۔

انہی ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدمت اسلام کیلئے کوشش شروع کی اور مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ میں اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کئے جن کی وجہ سے آپ کا نام خود بخود گوشہ تنہائی سے نکل کر میدان شہرت میں آ گیا۔ لیکن آپ خود اسی گوشہ تنہائی میں ہی تھے اور باہر کم نکلتے تھے۔ بلکہ مسجد کے ایک حجرہ میں جو صرف ۶x۵ فٹ کے قریب لمبا اور چوڑا تھا رہتے تھے اور اگر کوئی آدمی ملنے کے لئے آ جاتا تو مسجد سے باہر نکل کر بیٹھ جاتے یا گھر میں آ کر بیٹھے رہتے۔ غرض اس زمانہ میں آپ کا نام تو باہر نکلنا شروع ہوا لیکن آپ باہر نہ نکلے بلکہ اسی گوشہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے۔

ان مجاہدات کے دنوں میں آپ کو کثرت سے الہامات ہونے شروع ہو گئے اور بعض امور غیبیہ پر بھی اطلاع ملتی رہی جو اپنے وقت پر پورے ہو جاتے اور آپ کے ایمان کی زیادتی کا

موجب ہوتے اور آپ کے دوست جن میں بعض ہندو اور سکھ بھی شامل تھے ان باتوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے۔

اشتہار کتاب براہینِ احمدیہ

پہلے تو آپ نے صرف اخبارات میں مضامین دینے شروع کئے لیکن جب دیکھا کہ دشمنان اسلام اپنے حملوں میں بڑھتے جاتے ہیں اور مسلمان ان حملوں کی تاب نہ لا کر پسپا ہو رہے ہیں تو آپ کے دل میں غیرتِ اسلام نے جوش مارا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے الہام اور وحی کے ماتحت مامور ہو کر ارادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب تحریر فرمائیں جس میں اسلام کی صداقت کے وہ اصول بیان کئے جائیں جن کے مقابلہ سے مخالف عاجز ہوں اور آئندہ ان کو اسلام کے مقابلہ کی جرات نہ ہو۔ اور اگر وہ مقابلہ کریں تو ہر ایک مسلمان ان کے حملہ کو رد کر سکے۔ چنانچہ اس ارادہ کے ساتھ آپ نے وہ عظیم الشان کتاب لکھنی شروع کی جو **براہین احمدیہ** کے نام سے مشہور ہے اور جس کی نظیر کسی انسان کی تصانیف میں نہیں ملتی۔ جب ایک حصہ مضمون کا تیار ہو گیا تو اس کی اشاعت کے لئے آپ نے مختلف جگہ پر تحریک کی اور بعض لوگوں کی امداد سے جو آپ کے مضامین کی وجہ سے پہلے ہی آپ کی لیاقت کے قائل تھے اس کا پہلا حصہ جو صرف اشتہار کے طور پر تھا شائع کیا گیا۔

اس حصہ کا شائع ہونا تھا کہ ملک میں شور پڑ گیا اور گو پہلا حصہ صرف کتاب کا اشتہار تھا لیکن اس میں بھی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے ایسے اصول بتائے گئے تھے کہ ہر ایک شخص جس نے اسے دیکھا اس کتاب کی عظمت کا قائل ہو گیا۔ اس اشتہار میں آپ نے یہ بھی شرط رکھی تھی کہ اگر وہ خوبیاں جو آپ اسلام کی پیش کریں گے وہی کسی اور مذہب کا پیرو اپنے مذہب میں دکھا دے یا ان سے نصف بلکہ چوتھا حصہ ہی اپنے مذہب میں ثابت کر دے تو آپ اپنی سب جائیداد جس کی قیمت دس ہزار روپے کے قریب ہو گی اسے بطور انعام کے دیں گے۔ (یہ ایک ہی موقعہ ہے جس میں آپ نے اپنی جائیداد سے اس وقت فائدہ اٹھایا اور

اسلام کی خوبیوں کے ثابت کرنے کیلئے بطور انعام مقرر کیا تا کہ مختلف مذاہب کے پیرو کسی طرح میدان مقابلہ میں آجائیں اور اس طرح اسلام کی فتح ثابت ہو-)

یہ پہلا حصہ ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا- پھر اس کتاب کا دوسرا حصہ ۱۸۸۱ء میں اور تیسرا حصہ ۱۸۸۲ء اور چوتھا ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا- گو جس رنگ میں آپ کا ارادہ کتاب لکھنے کا تھا وہ درمیان میں ہی رہ گیا- کیونکہ اس کتاب کی تحریر کے درمیان میں ہی آپ کو بذریعہ الہام بتایا گیا کہ آپ کے لئے اشاعتِ اسلام کی خدمت کسی اور رنگ میں مقدر ہے لیکن جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا وہی دنیا کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھا-

اس کتاب کی اشاعت کے بعد آپ کے دوست دشمن سب کو آپ کی قابلیت کا اقرار کرنا پڑا اور مخالفینِ اسلام پر ایسا رعب پڑا کہ ان میں سے کوئی اس کتاب کا جواب نہ دے سکا مسلمانوں کو اس قدر خوشی حاصل ہوئی کہ وہ بلا آپ کے دعوے کے آپ کو مجدد تسلیم کرنے لگے اور اس وقت کے بڑے بڑے علماء آپ کی لیاقت کا لوہا مان گئے- چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو اس وقت تمام اہلِ حدیث وہابی فرقہ کے سرگروہ تھے اور وہابی فرقہ میں ان کو خاص عزت حاصل تھی اور اسی وجہ سے گورنمنٹ کے ہاں بھی ان کی عزت تھی انہوں نے اس کتاب کی تعریف میں ایک لمبا آرٹیکل لکھا اور بڑے زور سے اس کی تائید کی اور لکھا کہ تیرہ سو سال میں اسلام کی تائید میں ایسی کتاب کوئی نہیں لکھی گئی-

اخبارِ غیبیہ اور سلسلہ الہامات کی کثرت

اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض الہامات بھی لکھے ہیں جن میں سے بعض کا بیان کر دینا یہاں مناسب ہوگا کیونکہ بعد کے واقعات سے ان کے غلط یا درست ہونے کا پتہ لگتا ہے :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا- پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا*-"

* براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۶۵

"یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ - یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ *-"

"بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے*"

یہ وہ الہامات ہیں جو براہین احمدیہ ۱۸۸۴ء میں شائع کئے گئے تھے جب کہ آپ دنیا میں ایک کسمپرس آدمی کی حالت میں تھے- لیکن اس کتاب کا نکلنا تھا کہ آپ کی شہرت ہندوستان میں دُور دُور تک پھیل گئی- اور بہت لوگوں کی نظریں مصنف براہین احمدیہ کی طرف لگ گئیں کہ یہ اسلام کا کشتی بان ہوگا اور اسے دشمنوں کے حملوں سے بچائے گا- اور یہ خیال ان کا درست تھا- لیکن خدا تعالیٰ اسے اور رنگ میں پورا کرنے والا تھا- اور واقعات یہ ثابت کرنے والے تھے کہ جو لوگ ان دنوں اس پر جان فدا کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے وہی اس کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے اور ہر طرح اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور آپ کی قبولیت کسی انسانی امداد کے سہارے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے زبردست حملوں کے ذریعہ سے مقدر تھی-

آپ کے بھائی صاحب کی وفات

۱۸۸۴ء میں آپ کے بھائی صاحب بھی فوت ہو گئے اور چونکہ وہ لاولد تھے اس لئے ان کے وارث بھی آپ ہی تھے- لیکن اس وقت بھی آپ نے ان کی بیوہ کی دلدہی کیلئے جائیداد پر قبضہ نہ کیا اور ان کی درخواست پر نصف حصہ تو مرزا سلطان احمد صاحب کے نام پر لکھ دیا جنہیں آپ کی بھاوج نے رسمی طور پر متبنّٰی قرار دیا تھا- آپ نے تبنیت کے سوال پر تو صاف لکھ دیا کہ اسلام میں جائز نہیں لیکن مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوہ کی دلدہی اور خبر گیری کیلئے اپنی جائیداد کا نصف حصہ بخوشی خاطر دے دیا اور باقی نصف پر بھی خود قبضہ نہ کیا بلکہ مدت تک آپ کے رشتہ داروں ہی کے قبضہ میں رہا-

* براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۶۷

* براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۶۲۲

دوسری شادی - خلقِ خدا کا رجوع - اعلانِ دعویٰ حقہ

بھائی صاحب کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد آپ نے الہام الٰہی کے ماتحت دوسری شادی دہلی میں کی - چونکہ براہین احمدیہ شائع ہو چکی تھی - اب کوئی کوئی شخص آپ کو دیکھنے کیلئے آنے لگا تھا اور قادیان جو دنیا سے بالکل ایک کنارہ پر ہے مہینہ دو مہینے کے بعد کسی نہ کسی مہمان کی قیام گاہ بن جاتی تھی - اور چونکہ لوگ براہین احمدیہ سے واقف ہوتے جاتے تھے آپ کی شہرت بڑھتی جاتی تھی اور یہ براہین احمدیہ ہی تھی جسے پڑھ کر وہ عظیم الشان انسان جس کی لیاقت اور علمیت کے دوست دشمن قائل تھے اور جس حلقہ میں وہ بیٹھتا تھا خواہ یوروپینوں کا ہو یا دیسیوں کا اپنی لیاقت کا سکہ ان سے منواتا تھا آپ کا عاشق و شیدا ہو گیا - اور باوجود خود ہزاروں کا معشوق ہونے کے آپ کا عاشق ہونا اس نے اپنا فخر سمجھا - میری مراد استاذی المکرم حضرت مولانا مولوی نورالدینؓ صاحب سے ہے جو براہین احمدیہ کی اشاعت کے وقت جموں میں مہاراجہ صاحب کے خاص طبیب تھے - انہوں نے وہاں براہین احمدیہ پڑھی اور ایسے فریفتہ ہوئے کہ تادمِ مرگ حضرت صاحبؑ کا دامن نہ چھوڑا -

سلسلہ بیعت کا آغاز اور پہلی بیعت

غرض براہین احمدیہ کا اثر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوا - اور بعض لوگوں نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ بیعت لیں - لیکن آپ نے بیعت لینے سے ہمیشہ انکار کیا اور یہی جواب دیا کہ ہمارے سب کام خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں - حتیٰ کہ ۱۸۸۸ء کا دسمبر آگیا جب کہ آپ کو الہام کے ذریعے لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا گیا - اور پہلی بیعت ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ کے مقام پر جہاں میاں احمد جان نامی ایک مخلص تھے ان کے مکان پر ہوئی اور سب سے پہلے حضرت مولانا مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اور اس دن چالیس کے قریب آدمیوں نے بیعت کی - اس کے بعد آہستہ آہستہ کچھ لوگ بیعت میں شامل ہوتے

رہے -

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اور اس کا اعلان

لیکن ۱۸۹۱ء میں ایک اور تغیر عظیم ہوا - یعنی حضرت مرزا صاحب کو الہام کے ذریعہ بتایا گیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام جن کے دوبارہ آنے کے مسلمان اور مسیحی دونوں قائل ہیں فوت ہو چکے ہیں اور ایسے فوت ہوئے ہیں کہ پھر واپس نہیں آسکیں گے - اور یہ کہ مسیح علیہ السلام کی بعثتِ ثانیہ سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو ان کی خو بو پر آوے اور وہ آپ ہی ہیں - جب اس بات پر آپ کو شرح صدر ہو گیا اور بار بار الہام سے آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ اس بات کا اعلان کریں تو آپ کو مجبوراً اس کام کے لئے اٹھنا پڑا - قادیان میں ہی آپ کو یہ الہام ہوا تھا - آپ نے گھر میں فرمایا کہ اب ایک ایسی بات میرے سپرد کی گئی ہے کہ اب اس سے سخت مخالفت ہوگی اس کے بعد آپ لدھیانہ چلے گئے اور مسیح موعود ہونے کا اعلان ۱۸۹۱ء میں بذریعہ اشتہار کیا گیا -

علماء زمانہ کی شدید مخالفت - مباحثہ لدھیانہ

اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ ہندوستان بھر میں شور پڑ گیا اور اس قدر مخالفت ہوئی کہ الامان! وہی علماء جو آپ کی تائید کرتے تھے آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے -

مولوی محمد حسین بٹالوی کی مخالفت

مولوی محمد حسین بٹالوی جنہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں آپ کی تائید میں زبردست آرٹیکل لکھے تھے انہوں نے ہی آپ کے خلاف زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا اور لکھا کہ میں نے ہی اس شخص کو چڑھایا تھا اور اب میں ہی اسے گراؤں گا یعنی میری ہی تائید سے ان کی کچھ عظمت قائم ہوئی تھی - اب میں اتنی مخالفت کروں گا کہ یہ لوگوں کی نظروں سے گر

جائیں گے اور بدنام ہو جائیں گے۔ مولوی صاحب معہ بعض دیگر علماء کے لدھیانہ بھی پہنچے اور مباحثہ کا چیلنج دیا جو حضرت مسیح موعودؑ نے منظور بھی فرمالیا۔

مباحثہ لدھیانہ

لیکن مباحثہ * میں فریق مخالف نے اس قسم کی کج بحثیاں شروع کیں کہ کچھ فیصلہ نہ ہو سکا اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے دیکھا کہ ایک فتنہ عظیم برپا ہے اور قریب ہے کہ کوئی صورت غدر کی پیدا ہو جائے تو انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو ایک خاص حکم کے ذریعے لدھیانہ سے اسی دن چلے جانے پر مجبور کیا اس پر بعض دوستوں کے مشورہ سے کہ شاید ایسا حکم آپ کے متعلق بھی جاری ہو آپ لدھیانہ سے امرتسر تشریف لے آئے اور آٹھ دن وہاں رہے۔ لیکن بعد میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے دریافت کرنے پر بتایا کہ آپ کے متعلق کوئی حکم نہ تھا جس پر آپ پھر لدھیانہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں ہفتہ بھر کے قریب رہے اور پھر قادیان تشریف لے آئے۔

دہلی کا سفر اور مولوی نذیر حسین سے مباحثہ

اس کے بعد کچھ مدت قادیان رہ کر پھر لدھیانہ تشریف لے گئے جہاں کچھ مدت رہے اور وہاں سے دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ ۲۸ ستمبر ۱۸۹۱ء کی صبح کو پہنچے۔ چونکہ دہلی اس زمانہ میں تمام ہندوستان کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا وہاں کے لوگوں میں پہلے سے ہی آپ کے خلاف جوش پھیلایا جاتا تھا آپ کے وہاں پہنچتے ہی وہاں کے علماء میں ایک جوش پیدا ہوا۔ اور انہوں نے آپ کو مباحثہ کے چیلنج دینے شروع کئے اور مولوی نذیر حسین جو تمام ہندوستان کے علماءِ حدیث کے استاد تھے ان سے مباحثہ قرار پایا۔ مسجد جامع مقامِ مباحثہ قرار پائی۔ لیکن

* یہ مباحثہ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء سے شروع ہوا۔ اور متواتر کئی دن تک رہا یہ مباحثہ چونکہ تحریری ہوا تھا۔ اس لئے "الحق مباحثہ لدھیانہ" کے نام سے شائع ہوا مفصل کیفیت وہاں سے پڑھیں۔ (ناقل)

مباحثہ کی یہ سب قرارداد مخالفین نے خود ہی کر لی۔ کوئی اطلاع آپ کو نہ دی گئی۔ عین وقت پر حکیم عبدالمجید خان صاحب دہلوی اپنی گاڑی لے کر آگئے اور کہا کہ مسجد میں مباحثہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے فساد کے موقع پر ہم نہیں جاسکتے جب تک پہلے سرکاری انتظام نہ ہو پھر مباحثہ کے لئے ہم سے مشورہ ہونا چاہئے تھا اور شرائطِ مباحثہ طے کرنی تھیں۔ آپ کے نہ جانے پر اور شور ہوا۔ آخر آپ نے اعلان کیا کہ مولوی نذیر حسین دہلوی جامع مسجد میں قسم کھالیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام قرآن کے رو سے زندہ ہیں اور اب تک فوت نہیں ہوئے اور اس قسم کے بعد ایک سال تک کسی آسمانی عذاب میں مبتلا نہ ہوں تو میں جھوٹا ہوں اور میں اپنی کتب کو جلا دوں گا اور اس کے لئے تاریخ بھی مقرر کر دی۔ مولوی نذیر حسین صاحب کے شاگرد اس سے سخت گھبرائے اور بہت روکیں ڈالنی شروع کر دیں۔ لیکن لوگ مصر ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ سن کر قسم کھا جائیں کہ یہ جھوٹا ہے اور لوگ اس وقت کثرت سے جامع مسجد میں اکٹھے ہو گئے۔ حضرت صاحب کو لوگوں نے بہت روکا کہ آپ نہ جائیں سخت بلوہ ہو جائے گا لیکن آپ وہاں* گئے اور ساتھ آپ کے بارہ دوست تھے۔ (حضرت مسیح کے بھی بارہ ہی حواری تھے۔ اس معرکۃ الآرا موقعہ پر آپ کے ساتھ یہ تعداد بھی ایک نشان تھی) جامع مسجد دہلی کی وسیع عمارت اندر اور باہر آدمیوں سے پُر تھی بلکہ سیڑھیوں پر بھی لوگ کھڑے تھے۔ ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں سے گذر کر جب کہ سب لوگ دیوانہ وار خون آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھ رہے تھے آپ اس مختصر جماعت کے ساتھ محرابِ مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔

مجمع کے انتظام کے لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ دیگر افسران پولیس اور قریباً سو کانسٹبلوں کے آئے ہوئے تھے۔ لوگوں میں سے بہتوں نے اپنے دامنوں میں پتھر بھرے ہوئے تھے اور ادنیٰ سے اشارے پر پتھراؤ کرنے کو تیار تھے۔ اور مسیح ثانی بھی پہلے مسیح کی

* حضرت اقدس علیہ السلام نے ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو یہ اشتہار شائع فرمایا تھا اور مقررہ تاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو بوقت عصر جامع مسجد دہلی میں آنے کی دعوت دی تھی۔ (ناقل)

طرح فقیہوں اور فریسیوں کا شکار ہو رہا تھا- لوگ اس دوسرے مسیح کو سولی پر لٹکانے کی جائے پتھروں سے مارنے پر تلے ہوئے تھے اور گفتگوئے مباحثہ میں تو انہیں ناکامی ہوئی- مسیح کی وفات پر بحث کرنا لوگوں نے قبول نہ کیا- قسم بھی نہ کسی نے کھائی نہ مولوی نذیر حسین کو کھانے دی- خواجہ محمد یوسف صاحب پلیڈر علی گڑھ نے حضرت سے آپ کے عقائد لکھائے اور سنانے چاہے- لیکن چونکہ مولویوں نے لوگوں کو یہ سنا رکھا تھا کہ یہ شخص نہ قرآن کو مانے نہ حدیث کو نہ رسول کریم ﷺ کو- انہیں یہ فریب کھل جانے کا اندیشہ ہوا اس لئے لوگوں کو اکسادیا- پھر کیا تھا- ایک شور برپا ہو گیا اور محمد یوسف کو وہ کاغذ سنانے سے لوگوں نے باز رکھا-

افسر پولیس نے جب دیکھا کہ حالت خطرناک ہے تو پولیس کو مجمع منتشر کرنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ کوئی مباحثہ نہ ہوگا- لوگ تتر بتر ہو گئے- پولیس آپ کو حلقہ میں لے کر مسجد سے باہر گئی- دروازہ پر گاڑیوں کے انتظار میں کچھ دیر ٹھہرنا پڑا- لوگ وہاں جمع ہو گئے اور اشتعال میں آکر حملہ کرنے کا ارادہ کیا- اس پر افسران پولیس نے گاڑی میں سوار کرا کر آپ کو روانہ کیا اور خود مجمع کے منتشر کرنے میں لگ گئے-

اس کے بعد مولوی محمد بشیر صاحب کو دہلی کے لوگوں نے بھوپال سے بلوایا اور ان سے مباحثہ ہوا جس کا تمام حال چھپا ہوا موجود ہے-

ڈپٹی عبداللہ آتھم سے مباحثہ کے حالات

کچھ دن کے بعد آپ واپس قادیان تشریف لے آئے- چند ماہ کے بعد ۱۸۹۲ء میں پھر ایک سفر کیا- پہلے لاہور گئے- وہاں مولوی عبدالحکیم کلانوری سے مباحثہ ہوا- وہاں سے سیالکوٹ اور وہاں سے جالندھر اور پھر وہاں سے لدھیانہ تشریف لائے- لدھیانہ سے پھر قادیان تشریف لے آئے-

مسیحیوں سے مباحثہ "جنگ مقدس"

اس کے بعد ۱۸۹۳ء میں حضور علیہ السلام کا مباحثہ مسیحیوں سے قرار پایا اور مسیحیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم مباحث مقرر ہوئے- یہ مباحثہ امرتسر میں ہوا اور پندرہ دن تک رہا اور "جنگِ مقدس" کے نام سے شائع ہو چکا ہے-

اس مباحثہ میں بھی جیسا کہ ہمیشہ آپ کے مخالفین کو زک ہوتی رہی ہے مسیحی مناظرین کو سخت زک ہوئی اور اس کا نہایت مفید اثر ہوا- اس مباحثہ کے پڑھنے سے (یہ مباحثہ تحریری ہوا تھا اور طرفین آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کے پرچہ کا جواب دیتے تھے اور وہ اصل تحریریں ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی مباحث آپ کے زبردست استدلال سے تنگ آجاتا تھا- اور بار بار دعویٰ بدلتا جاتا تھا اور بعض جگہ تو مسیحیوں کی طرف سے ناروا سخت کلامی تک کی گئی ہے- آپ نے اس جدید علم کلام کو پیش کیا کہ ہر ایک فریق اپنے مذہب کی صداقت کے دعاوی اور دلائل اپنی مسلمہ کتب سے ہی پیش کرے-

ایک عجیب واقعہ

اس مباحثہ میں ایک عجیب واقعہ گذرا- جس میں دوست دشمن آپ کی خداداد ذہانت بلکہ الٰہی تائید کے قائل ہو گئے- اور وہ یہ کہ گو بحث اور امور پر ہو رہی تھی مگر مسیحیوں نے آپ کو شرمندہ کرنے کے لئے ایک دن کچھ لولے لنگڑے اور اندھے اکٹھے کئے- اور عین دوران مباحثہ میں آپ کے سامنے لا کر کہا کہ آپ مسیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو لولے لنگڑے اور اندھوں کو اچھا کیا کرتے تھے- پس آپ کا دعویٰ تب ہی سچا ہو سکتا ہے جب کہ آپ بھی ایسے مریضوں کو اچھا کر کے دکھلائیں- اور دور جانے کی ضرورت نہیں مریض حاضر ہیں- جب انہوں نے یہ بات پیش کی سب لوگ حیران رہ گئے اور ہر ایک شخص محو حیرت ہو کر اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں کہ مرزا صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ اور مسیحی اپنی اس عجیب کارروائی پر بہت خوش ہوئے کہ آج ان پر نہایت سخت حجت

تمام ہوئی ہے اور بھری مجلس میں کیسی خجالت اٹھانی پڑی ہے۔ لیکن جب آپ نے اس مطالبہ کا جواب دیا تو ان کی ساری خوشی مبدل بہ افسوس و ندامت ہو گئی اور فتح شکست سے بدل گئی۔ اور سب لوگ آپ کے جواب کی برجستگی و معقولیت کے قائل ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس قسم کے مریضوں کو اچھا کرنا تو انجیل میں لکھا ہے ہم تو اس کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو حضرت مسیح کے معجزات کا رنگ ہی اور تھا۔ یہ تو انجیل کا دعویٰ ہے کہ وہ ایسے بیماروں کو جسمانی رنگ میں اچھا کرتے تھے اور اس طرح ہاتھ پھیر کر نہ کہ دعا اور دوا سے۔ لیکن انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تم میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو تو تم لوگ اس سے بڑھ کر عجیب کام کر سکتے ہو۔ پس ان مریضوں کا ہمارے سامنے پیش کرنا آپ لوگوں کا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے۔ اور اب ہم ان مریضوں کو جو آپ لوگوں نے نہایت مہربانی سے جمع کر لئے ہیں آپ کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں کہ براہِ مہربانی انجیل کے حکم کے ماتحت اگر آپ لوگوں میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے تو ان مریضوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ اچھے ہو جاؤ۔ اگر یہ اچھے ہو گئے تو ہم یقین کر لیں گے کہ آپ لوگ اور آپ کا مذہب سچا ہے۔ ورنہ جو دعویٰ آپ لوگوں نے خود کیا ہے اسے بھی پورا نہ کر سکیں تو پھر آپ کی صداقت پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس جواب کا ایسا اثر ہوا کہ مسیحی بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دے سکے اور بات ٹال دی۔

اس کے بعد انہی دنوں آپ ایک دفعہ فیروزپور تشریف لے گئے۔ ان تمام سفروں میں ہر جگہ آپ کو دق کیا گیا اور لوگوں نے آپ کو بڑا دکھ دیا۔ اور جو کچھ تحریر کے ذریعہ شائع کیا گیا اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ جہاں آپ جاتے وہیں لوگ مل کر آپ کو دکھ دیتے۔

تعطیلِ جمعہ کی کوشش

یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو آپ نے اسلامی عظمت کے اظہار اور زبردست اسلامی شعار نماز جمعہ کے عام رواج کے لئے ایک کوشش کا آغاز فرمایا۔ یعنی گورنمنٹ ہند سے تعطیلِ جمعہ کی

تحریک کی کارروائی شروع کی۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں جمعہ کے متعلق جو ان کیلئے مسیح موعود کا ایک زبردست عملی نشان تھا ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں کہ بعض شرائط کو ملحوظ رکھ کر جمعہ کی فرضیت پر ہی بحث چھڑ چکی تھی۔ اور عملی طور پر جمعہ بہت جگہ متروک ہو گیا تھا آپ نے اس کو زندہ کیا اور چاہا کہ گورنمنٹ جمعہ کی تعطیل منظور فرمائے۔ اس بارہ میں جو میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجنا آپ نے تجویز فرمایا اس کی تیاری سے پہلے ہی مولویوں نے اپنی عادت کے موافق مخالفت کی اور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ حضرت مسیح موعود یہ کام محض للّٰہیت سے کر رہے تھے۔ آپ کو کسی تحسین و داد کی تمنا نہ تھی۔ آپ کا مدعا تو اس اہم دینی خدمت کا انجام پانا تھا خواہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔ آپ نے کل کام مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواست پر ان کے سپرد کر دینے کا اعلان کر دیا کہ وہ جمعہ کی تعطیل کے لئے خود کوشش کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کریں۔ مگر افسوس! انہوں نے اس مفید کام کو اس راہ سے روک دیا مگر آپ کی یہ تحریک الٰہی تحریک تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے آپ ہی کی جماعت کے ذریعہ اس کو پورا کیا۔

مذاہبِ عالم کا عظیم الشان جلسہ

۱۸۹۶ء کے اواخر میں چند لوگوں نے مل کر لاہور میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے لئے تمام مذاہب کے پیروان کو شامل ہونے کی دعوت دی جنہوں نے بڑی خوشی سے اس بات کو قبول کیا۔ بحث میں شرط تھی کہ کسی مذہب پر حملہ نہ کیا جاوے اور حسب ذیل پانچ مضامین پر مختلف مذاہب کے پیروان سے مضامین لکھنے کی درخواست کی گئی۔

۱۔ انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالتیں۔

۲۔ انسانی کی زندگی کے بعد کی حالت۔

۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

۴-کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں کیا ہوتا ہے-

۵-علم گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں-

اس کانفرنس کا مجوز حضرت علیہ السلام کی خدمت میں بھی قادیان حاضر ہوا اور آپ نے ہر طرح ان کی تائید کا وعدہ کیا-بلکہ اصلی معنوں میں اس کانفرنس کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی رکھی تھی جو شخص بعد میں کانفرنس کا مجوز قرار پایا قادیان آیا تو حضرت علیہ السلام نے یہ تجویز پیش کی تھی-چونکہ آپ کی غرض دنیا کو اس صداقت سے آگاہ کرنا تھا جو آپ لے کر آئے تھے-اور آپ کا ہر کام نمود و نمائش سے بالاتر ہوتا تھا اس لئے آپ نے اس شخص کو اس تحریک میں سعی کرنے پر آمادہ کیا اور اس کا پہلا اشتہار قادیان میں ہی چھاپ کر شائع کرایا-اپنے ایک مرید کو مقرر کیا کہ وہ ہر طرح ان کی مدد کرے اور خود بھی مضمون لکھنے کا وعدہ کیا-جب آپ مضمون لکھنے لگے تو آپ سخت بیمار ہو گئے اور دستوں کی بیماری شروع ہو گئی-لیکن اس بیماری میں بھی آپ نے ایک مضمون لکھا اور جب آپ وہ مضمون لکھ رہے تھے تو آپ کو الہام ہوا کہ "مضمون بالا رہا"- یعنی آپ کا مضمون اس کانفرنس میں دوسروں کے مضامین سے بالا رہے گا-چنانچہ آپ نے قبل از وقت ایک اشتہار کے ذریعہ یہ بات شائع کر دی کہ میرا مضمون بالا رہے گا-

اجلاس کانفرنس ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو مقرر تھے-جلسہ کے انتظام کے لئے چھ ماڈریٹر صاحبان مقرر تھے جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:-

۱-رائے بہادر پرتول چندر صاحب جج چیف کورٹ پنجاب

۲-خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سمال کاز کورٹ لاہور

۳-رائے بہادر پنڈت رادھا کشن کول پلیڈر چیف کورٹ، سابق گورنر جنرل جموں

۴-حضرت مولوی حکیم نور الدینؓ صاحب طبیب شاہی

۵-رائے بہادر بھوانی داس ایم۔اے سیٹلمنٹ آفیسر جہلم

۶-سردار جواہر سنگھ صاحب سیکرٹری خالصہ کالج کمیٹی لاہور

اس کانفرنس کے لئے مختلف مذاہب کے مشہور علماء نے مضامین تیار کئے تھے اس لئے لوگوں میں اس کے متعلق بڑی دلچسپی تھی اور بہت شوق سے حصہ لیتے تھے اور یہ جلسہ ایک مذہبی دنگل کا رنگ اختیار کر گیا تھا اور ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے قائم مقاموں کی فتح دیکھنے کے خواہشمند تھے-اس صورت میں تمام پرانے مذاہب جن کے پیرو کثرت سے پیدا ہو چکے ہیں بالکل محفوظ تھے کیونکہ ان کی داد دینے والے لوگ جلسہ گاہ میں کثرت سے پائے جاتے تھے-لیکن مرزا صاحب کا مضمون ایک ایسے جلسے میں سنایا جانا تھا جس میں دوست برائے نام تھے اور سب دشمن ہی دشمن تھے کیونکہ اس وقت تک آپ کی جماعت دو تین سو سے زیادہ نہ تھی اور اس جلسہ میں تو شاید پچاس سے زائد آدمی بھی شامل نہ ہونگے-

آپ کی تقریر ۲۷ دسمبر کو ڈیڑھ بجے سے ساڑھے تین بجے تک تھی-آپ خود تو وہاں نہ جا سکے تھے-لیکن آپ نے اپنے ایک مخلص مرید مولوی عبدالکریم صاحب کو اپنی طرف سے مضمون پڑھنے پر مقرر کیا تھا-جب انہوں نے تقریر شروع کی تو تھوڑی ہی دیر میں ایسا عالم ہو گیا کہ گویا لوگ بت بنے بیٹھے ہیں اور وقت کے ختم ہونے تک لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوا کہ کس قدر عرصہ تک آپ بولتے رہے ہیں-وقت ختم ہونے تک لوگوں کو سخت تشویش ہوئی کیونکہ آپ کے مضمون کا ابھی پہلا سوال ہی ختم نہ ہوا تھا اور اس وقت لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے جن کا لیکچر آپ کے بعد تھا اعلان کیا کہ آپ کے مضمون کا وقت بھی حضرت صاحب کو ہی دیا جائے-چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب آپ کا لیکچر پڑھتے چلے گئے-حتی کہ ساڑھے چار بج گئے جب کہ جلسہ کا وقت ختم ہونا تھا-لیکن اب بھی پہلا سوال ختم نہ ہوا تھا-اور لوگ مصر تھے کہ اس لیکچر کو ختم کیا جائے-چنانچہ منتظمین جلسہ نے اعلان کیا کہ بالالحاظ وقت کے یہ مضمون جاری رہے- جس پر ساڑھے پانچ بجے تک سنایا گیا تب جا کر پہلا سوال ختم ہوا-مضمون کے ختم ہوتے ہی لوگوں نے اصرار کیا کہ اس مضمون کے ختم کرنے کے لئے جلسہ کا ایک دن اور بڑھایا جائے- چنانچہ ۲۸ تاریخ کے پروگرام کے علاوہ ۲۹ تاریخ کو بھی جلسہ کا انتظام کیا گیا-اور اس روز

چونکہ بعض اور مذاہب کے قائم مقاموں نے بھی وقت کی درخواست کی تھی اس لئے کارروائی جلسہ صبح کو بجائے ساڑھے دس بجے کے ساڑھے نو بجے سے شروع ہونے کا اعلان کیا گیا اور سب سے پہلے آپ ہی کا مضمون رکھا گیا- اور گو پہلے دنوں میں لوگ ساڑھے دس بجے بھی پوری طرح نہ آتے تھے لیکن آپ کے پہلے دن کے لیکچر کا یہ اثر تھا کہ ابھی نو بھی نہ بجے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ جوق جوق جلسہ گاہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے اور عین وقت پر جلسہ شروع کیا گیا- اس دن بھی گو آپ کے مضمون کے لئے اڑھائی گھنٹے دیئے گئے تھے لیکن تقریر کے اس عرصہ میں ختم نہ ہو سکنے کی وجہ سے منتظمین کو وقت اور دینا پڑا- کیونکہ تمام حاضرین یک زبان ہو کر اس تقریر کے جاری رکھنے پر مصر تھے- چنانچہ ماڈریٹر صاحبان کو وقت بڑھانا پڑا- غرض دو روز کے قریباً ساڑھے سات گھنٹوں میں جا کر یہ تقریر ختم ہوئی- اور تمام لاہور میں ایک شور پڑ گیا اور سب لوگوں نے تسلیم کیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بالا رہا- اور ہر مذہب و ملت کے پیرو اس کی خوبی کے قائل ہوئے- جلسہ کی رپورٹ مرتب کرنے والوں کا اندازہ ہے کہ آپ کے لیکچروں کے وقت حاضرین کی تعداد بڑھتے بڑھتے سات آٹھ ہزار تک ترقی کر جاتی تھی- غرض یہ لیکچر ایک عظیم الشان فتح تھی جو آپ کو حاصل ہوئی اور اس دن آپ کا سکہ آپ کے مخالفوں کے دلوں میں اور بھی بیٹھ گیا اور خود مخالف اخبارات نے اس بات کو تسلیم کیا کہ آپ کا مضمون اس کانفرنس میں بالا رہا- یہ مضمون وہی ہے جس کا انگریزی ترجمہ "ٹیچنگز آف اسلام" یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر قبولیت حاصل کر چکا ہے-

۱۸۹۷ء کے آغاز کے ساتھ عیسائی دنیا پر اتمام حجت کے لئے ایک اور طریق پیش کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی حقیقی شخصیت کے ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں کے غلط عقائد کی اصلاح کی خاطر چہل روزہ دعوتِ مقابلہ کا اعلان کیا- اگرچہ اس مقابلہ میں دوسرے اہل مذاہب بھی شامل تھے- مگر عیسائی بالخصوص مخاطب تھے- اس کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کا انعام بھی اس شخص کے لئے مقرر تھا جو یسوع کی پیشگوئیوں کو حضرت مسیح موعود کی

پیشگوئیوں اور نشانوں سے قوی تر دکھا سکے- مگر کسی کو جرأت اور حوصلہ نہ ہوا-

واقعہ قتلِ لیکھرام

۱۸۹۷ء میں لیکھرام نامی ایک آریہ ۶ مارچ کو آپ کی ایک پیشگوئی کے مطابق مارا گیا- اور اس پر آریوں میں سخت شور برپا ہوا اور بعض شریروں نے طرح طرح سے احمدیوں کو اور پھر ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو بھی دکھ دینا شروع کیا- اور حضرت مسیح موعود کے خلاف تو سخت ہی شور برپا ہوا اور کھلے لفظوں میں آپ پر قتل کا الزام لگایا گیا- اور فوراً آپ کی تلاشی لی گئی کہ شاید کوئی سراغ قتل کا مل جاوے- لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمن کو ہر طرح ناکام رکھا اور باوجود اس کے کہ ہر طرح آپ پر الزام لگانے کی کوشش کی گئی لیکن پھر بھی کامیابی نہ ہوئی اور آپ اس الزام سے بالکل پاک ثابت ہوئے-

حسین کامی رومی سفیر کا قادیان میں آنا

مئی ۱۸۹۷ء میں ایک عظیم الشان واقعہ کا آغاز ہوا جو تاریخ میں ایک نشان کے طور پر رہے گا- حسین کامی سفیرِ روم اپنی متعدد درخواستوں کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں قادیان حاضر ہوا- حضرت نے اپنی خداداد فراست اور الہامی اطلاع پر اسے اشارۃً اس کی اپنی حالت اور ترکی پر آنے والے مصائب سے اطلاع دی کیونکہ سفیر مذکور نے سلطنت روم کی نسبت ایک خاص دعا کی تحریک کی تھی جس پر آپ نے اس کو صاف فرما دیا کہ سلطان کی سلطنت کی حالت اچھی نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں-

ان باتوں سے سفیر مذکور ناراض ہو کر چلا گیا- اور لاہور کے ایک اخبار میں گندی گالیوں کا ایک خط چھپوایا جس سے مسلمانانِ ہندو پنجاب میں شور مچ گیا مگر بعد میں آنے والے واقعات نے اس حقیقت کو کھول دیا اس کے ضمن میں بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو گئیں- خود

سفیر مذکور حضرت کے مشہور الہام اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کا نشانہ بنا۔ کیونکہ وہ ایک سنگین الزام میں ماخوذ ہو کر سزایاب ہوا اور جس اخبار نے نہایت زور سے اس مضمون کی تائید کی تھی اور اسے چھاپا تھا وہ بھی سزا سے نہ بچا اور سلطنت ٹرکی کی جو حالت ہے وہ ہر شخص پر عیاں ہے۔

مقدمہ ڈاکٹر مارٹن کلارک

اسی سنہ کی یکم اگست کو آپ کے خلاف ڈاکٹر مارٹن کلارک نام ایک مسیحی پادری نے مقدمہ سازش قتل مسٹر اے۔ ای مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کی عدالت میں دائر کیا اور بیان کیا کہ مرزا صاحب نے عبدالحمید نام ایک شخص کو میرے قتل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ اول تو ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر نے آپ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیا لیکن بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ بوجہ غیر ضلع ہونے کے یہ بات ان کے اختیار سے باہر ہے پس مقدمہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر ضلع گورداسپور کی عدالت میں منتقل کیا جن کا نام ایم۔ ڈبلیو ڈگلس ہے اور جو اس وقت جزائر انڈیمان کی چیف کمشنری سے پنشن یاب ہو کر ولایت میں ہیں آپ کے سامنے بھی عبدالحمید نے یہی بیان کیا کہ مجھے مرزا صاحب نے مارٹن کلارک صاحب کے قتل کیلئے بھیجا تھا اور کہا تھا کہ ایک بڑے پتھر سے ان کو مار دو۔ لیکن چونکہ اس بیان میں جو اس نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کے سامنے دیا تھا اور اس میں جو آپ کے سامنے دیا کچھ فرق تھا اس لئے آپ کو کچھ شک پڑ گیا اور آپ نے بڑے زور سے اس امر کی تحقیقات شروع کی۔ اور چار ہی پیشیوں میں ۲۷ دن کے اندر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا اور باوجود اس کے کہ آپ کے مقابلہ پر ایک مسیحی جماعت تھی بلا تعصب حضرت مسیح موعود کے حق میں فیصلہ دیا اور آپ کو صاف بری کر دیا۔ بلکہ اجازت دی کہ اپنے مخالفین کے خلاف مقدمہ دائر کریں۔ لیکن آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور ان پر کوئی مقدمہ نہ کیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب اپنے فیصلہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہم نے اس کا بیان سنتے ہی اس کو بعید از عقل سمجھا کیونکہ اول تو اس کا بیان جو ہمارے سامنے ہوا اس بیان سے مختلف تھا جو امرتسر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے سامنے ہوا۔ علاوہ ازیں اس کی وضع قطع ہی شبہ پیدا کرنے والی تھی۔ دوسرے ہم نے اس کے بیانات میں یہ عجیب بات دیکھی کہ جس قدر عرصہ وہ بٹالہ میں مشن کے ملازموں کے پاس رہا اس کا بیان مفصل اور طویل ہوتا گیا۔ چنانچہ اس نے ایک بیان ۱۲/اگست کو دیا اور ایک ۱۳/اگست کو اور دوسرے دن کے بیان میں کئی تفصیلات بڑھ گئیں جو پہلے دن کے بیان میں نہ تھیں۔ چونکہ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ یا تو اسے کوئی سکھاتا ہے یا اسے بہت کچھ معلوم ہے جسے وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے ہم نے صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کو کہا جو ایک یوروپین آفیسر تھے کہ اس کو مشن کمپاؤنڈ سے نکال کر اپنی تحویل میں رکھو اور پھر بیان لو۔ انہوں نے اسے مشن کے قبضہ سے نکال لیا اور جب آپ نے اس سے بیان لیا تو بلا کسی وعدہ معافی کے وہ رو کر پاؤں پر گر گیا اور بیان کیا کہ مجھ کو ڈرا کر یہ سب کچھ کہلوایا گیا ہے اور میں اپنی جان سے بیزار ہوں اور خودکشی کے لئے تیار تھا اور درحقیقت جو کچھ میں نے مرزا صاحب کے خلاف بیان کیا وہ عبدالرحیم، وارث الدین اور پریمداس عیسائیوں کی سازش اور ان کے سکھانے سے کیا ہے۔ مرزا صاحب نے نہ مجھ کو بھیجا اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق تھا۔ چنانچہ جو دقت ایک دن کے بیان میں آتی دوسرے دن یہ مجھے سکھا دیتے اور مرزا صاحب کے جس مرید کی نسبت میں نے بیان کیا تھا کہ اس نے بعد از قتل مجھے پناہ دینی تھی اس کی شکل سے بھی میں واقف نہیں۔ نہ اس کا نام سنا تھا۔ انہوں نے خود ہی اس کا نام اور پتہ مجھے یاد کرا دیا۔ اور اس ڈر سے کہ میں بھول نہ جاؤں میری ہتھیلی پر پنسل سے نام لکھ دیا تھا کہ اس وقت دیکھ لینا اور یہ بھی کہا کہ جب پہلے مجھ سے مرزا صاحب کے خلاف بیان لکھوایا تو ان عیسائیوں نے خوش ہو کر کہا کہ اب ہمارے دل کی مراد بر آئی (یعنی اب ہم مرزا

صاحب کو پھنسائیں گے-")

یہ تمام تفصیل لکھ کر مجسٹریٹ صاحب بہادر نے آپ کو بری کیا-اس مقدمہ پر آپ کے مخالف اس قدر خوش تھے کہ ایک آریہ وکیل نے بلا اجرت اس میں مسیحیوں کی طرف سے پیروی کی اور مسلمان مولوی بھی آپ کے خلاف گواہی دینے آئے- غرض مسیحی ہندو اور مسلمان مل کر آپ پر حملہ آور ہوئے اور بعض ناجائز طریق بھی اختیار کئے گئے لیکن خدا تعالیٰ نے کپتان ڈگلس کو پلاطوس سے زیادہ ہمت اور حوصلہ دیا-انہوں نے ہر موقعہ پر یہی کہا کہ میں بے ایمانی نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ دھو کر مسیح موعود کو اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں دے دیتے-بلکہ انہوں نے آپ کو بری کیا اور اس طرح رومن حکومت پر برٹش راج کی برتری ثابت کر دی-

انہی دنوں میں آپ نے "اصلح خیر" کے نام سے ایک اشتہار شائع کر کے مسلمان علماء کے آگے تجویز پیش کی کہ وہ آپ کی مخالفت سے باز آجائیں اور آپ کو دشمنوں کا مقابلہ کرنے دیں اور اس کے لئے دس سال کی مدت مقرر کی کہ اس میعاد کے اندر اگر میں جھوٹا ہوں تو خود تباہ ہو جاؤں گا اور اگر سچا ہوں تو تم عذاب سے بچ جاؤ گے جو سچوں کی مخالفت کے سبب خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے-لیکن مسلمانوں نے اس کو قبول نہ کیا اور دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے سے ہی مقابلہ پسند کیا-

ایک سفر

اکتوبر ۱۸۹۷ء میں آپ کو ایک شہادت پر ملتان جانا پڑا-وہاں شہادت دے کر جب واپس تشریف لائے تو کچھ دنوں لاہور بھی ٹھہرے یہاں جن جن گلیوں سے آپ گذرتے ان میں لوگ آپ کو گالیاں دیتے اور پکار پکار کر برے الفاظ آپ کی شان میں زبان سے نکالتے-میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی اور میں بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا-میں اس مخالفت کی جو لوگ آپ سے کرتے تھے وجہ تو نہیں سمجھ سکتا تھا اس لئے یہ دیکھ کر

مجھے سخت تعجب آتا کہ جہاں سے آپ گذرتے ہیں لوگ آپ کے پیچھے کیوں تالیاں پیٹتے ہیں' سیٹیاں بجاتے ہیں-چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک ٹنڈا شخص جس کا ایک پنجا کٹا ہوا تھا اور بقیہ ہاتھ پر کپڑا باندھا ہوا تھا نہیں معلوم کہ ہاتھ کٹنے کا ہی زخم باقی تھا یا کوئی نیا زخم تھا وہ بھی لوگوں میں شامل ہو کر غالباً مسجد وزیر خاں کی سیڑھیوں پر کھڑا تالیاں پیٹتا اور اپنا کٹا ہوا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارتا تھا اور دوسروں کے ساتھ مل کر شور مچارہا تھا کہ "ہائے! ہائے مرزا نٹھ گیا-" (یعنی میدان مقابلہ سے فرار کر گیا) اور میں اس نظارہ کو دیکھ کر سخت حیران تھا- خصوصاً اس شخص پر اور دیر تک گاڑی سے سر نکال کر اس شخص کو دیکھتا رہا-لاہور سے حضرت صاحب سیدھے قادیان تشریف لے آئے-

پنجاب میں طاعون اور حضور کی احتیاطی تدابیر

اسی سال ملک پنجاب میں طاعون پھوٹا اور جب کہ تمام مذہبی آدمی ان تدابیر کے سخت مخالف تھے جو گورنمنٹ نے انسدادِ طاعون کے متعلق نافذ کی تھیں-آپ نے بڑے زور سے ان کی تائید کی اور اپنی جماعت کو آگاہ کیا کہ ان تدابیر کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اسلام کا حکم ہے کہ ہر قسم کی تدابیر جو حفظانِ صحت کے متعلق ہوں ان پر عمل کیا جائے- اور اس طرح آپ نے امن عامہ کے قیام میں بہت بڑا کام کیا- کیونکہ اس وقت لوگوں میں عام طور پر یہ بات پھیلائی جاتی تھی کہ گورنمنٹ خود ہی طاعون پھیلاتی ہے اور جو تدابیر اس کے انسداد کی ظاہر کی جاتی ہیں وہ درحقیقت اس وباء کو پھیلانے والی ہیں اور اسلام کے بھی خلاف ہیں-چنانچہ علماء نے بڑے زور کے ساتھ فتویٰ دے دیا تھا کہ طاعون کے دنوں میں گھروں سے نکلنا سخت گناہ ہے اور اس طرح ہزاروں جاہلوں کی موت کا باعث ہو گئے-چوہے مارنے کی گولیاں تقسیم کی گئیں تو انہی کو باعثِ طاعون قرار دیا گیا-پنجرے دیئے گئے تو ان پر اعتراض کیا گیا- غرض اس طرح شورش برپا تھی اور بعض جگہ حکام سرکار پر حملے بھی ہوئے-ایسے وقت میں آپ کے اعلان اور آپ کے عمل کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی

ہدایت ہوئی اور آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ طاعون کے دنوں میں گھروں سے باہر نکلنا اور بستی سے باہر رہنا اسلام کی رو سے منع نہیں بلکہ منع صرف یہ بات ہے کہ ایک شہر سے بھاگ کر دوسرے شہر میں جائے کیونکہ اس سے بیماری کے دوسرے شہروں میں پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

قانونِ سڈیشن پر گورنمنٹ کو میموریل اور تجاویز

یہ ایام مذہبی بحث مباحثہ کے سبب سخت خطرناک ہو رہے تھے اور ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۸ء سن خاص طور پر ممتاز تھے۔ آپس کی مخالفت سخت بڑھ رہی تھی اور سیاسی مفسدہ پرداز اس مذہبی دشمنی سے فائدہ اٹھا کر گورنمنٹ کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں مشغول تھے اور اسی شرارت کو محسوس کر کے گورنمنٹ نے ۱۸۹۷ء میں سڈیشن کا قانون بھی پاس کیا تھا۔ لیکن باوجود اس قانون کے ہندوستان امن سے فساد کی طرف منتقل ہو رہا تھا اور اس قانون کا کوئی عمدہ نتیجہ نہ نکلا تھا۔ کیونکہ ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے اور یہاں کے لوگ جتنے مذہب کے معاملہ میں جوش میں آسکتے ہیں اتنے سیاسی امور میں نہیں آتے۔ لیکن اس قانون میں مذہبی لڑائی جھگڑوں کا سدباب نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ اس کی ضرورت گورنمنٹ اس وقت محسوس کرتی تھی مگر جس بات کو مدبران حکومت سمجھنے سے قاصر تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۹۷ء میں ایک میموریل تیار کر کے لارڈ ایلجن بہادر وائسرائے ہند کی خدمت میں ارسال کیا اور اسے چھاپ کر شائع بھی کر دیا۔ اس میں آپ نے ہز ایکسیلنسی کو بتایا کہ فتنہ و فساد کا اصلی باعث مذہبی جھگڑے ہیں۔ ان کے نتیجہ میں جو شورش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اسے بعض شریر گورنمنٹ کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ پس قانون سڈیشن میں مذہبی سخت کلامی کو بھی داخل کرنا چاہئے اور اس کے لئے آپ نے تین تجاویز بھی پیش کیں۔

(۱) اول یہ کہ قانون پاس کر دینا چاہئے کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے مذہب کی

خوبیاں تو بے شک بیان کریں لیکن دوسرے مذہب پر حملہ کرنے کی ان کو اجازت نہ ہوگی۔ اس قانون سے نہ تو مذہبی آزادی میں فرق آوے گا اور نہ کسی خاص مذہب کی طرفداری ہوگی۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ کسی مذہب کے پیرو اس بات پر ناخوش ہوں کہ ان کو دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی۔

(۲) اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو کم سے کم یہ کیا جائے کہ کسی مذہب پر ایسے حملے کرنے سے لوگوں کو روک دیا جائے جو خود ان کے مذہب پر پڑتے ہوں۔ یعنی اپنے مخالف کے خلاف وہ ایسی باتیں پیش نہ کریں جو خود ان کے ہی مذہب میں موجود ہوں۔

(۳) اگر یہ بھی ناپسند ہو تو گورنمنٹ ہر ایک فرقہ سے دریافت کر کے اس کی مسلمہ کتب مذہبی کی ایک فہرست تیار کرے اور یہ قانون پاس کر دیا جائے کہ اس مذہب پر ان کتابوں سے باہر کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب اعتراضات کی بنیاد صرف خیالات یا جھوٹی روایات پر ہو جنہیں اس مذہب کے پیرو تسلیم ہی نہیں کرتے تو پھر ان کے رو سے اعتراض کرنے کا نتیجہ باہمی بغض و عداوت ترقی کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اگر اس تحریک پر گورنمنٹ اس وقت عمل کرتی تو جو فتنے اور فساد ہندوستان میں پہلے دنوں نمودار ہوئے وہ کبھی نہ ہوتے لیکن گورنمنٹ نے اس موقعہ پر اس ضرورت کو محسوس نہ کیا اور اس کے مدبران سلطنت کی آنکھ ان جراثیم کی بڑھنے والی طاقت کو نہ دیکھ سکی جنہیں اس نبیٔ وقت نے ان کی ابتدائی حالت میں دیکھ لیا تھا مگر ۱۹۰۸ء میں پورے دس سال بعد گورنمنٹ کو مجبوراً یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ ایک مذہب کے لوگوں کو دوسرے مذہب پر حملہ کرنا اور ناروا سختی کرنی درست نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس پمفلٹ یا مضمون کے چھاپنے والے پریس یا اخبار کی ضمانت لی جائے یا اسے ضبط کیا جائے۔ لیکن یہ قانون اس قدر عرصہ کے بعد پاس ہوا کہ اس کا وہ اثر نہیں ہو سکتا جو اس وقت ہو سکتا تھا۔ دراصل ہندوستان کے سارے فتنے کی جڑ مذہبی جھگڑا ہے جو بعض شریروں کی عجیب پیچ در پیچ سازشوں کے ساتھ گورنمنٹ کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے اور جب کسی مذہب کے پیروؤں کی سب سے

پیاری چیز (ان کے مذہب) پر گندے الفاظ میں حملہ کیا جائے تو جاہل عوام کو گورنمنٹ سے بد ظن کرنے کے لئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ سارا قصور گورنمنٹ کا ہے جس کے ماتحت ہمیں اس قدر دکھ دیا جاتا ہے- اور وہ لوگ اس ظالم کا پیچھا چھوڑ کر محسن گورنمنٹ سے سر ہو جاتے ہیں-

ایک دل آزار کتاب

۱۸۹۸ء میں ایک عیسائی مرتد نے حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے خلاف ایک نہایت دل آزار کتاب* شائع کی جس سے مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ ملک کے امن پر اثر انداز ہو گا- لاہور کے ایک انجمن* نے گورنمنٹ کے حضور اس کتاب کی ضبطی کے لئے میموریل بھیجنے کی تیاری کی- لیکن آپ نے منع فرمایا کہ اس کا نتیجہ مفید نہ ہو گا- اور مشورہ دیا کہ اس کا ایک زبردست جواب لکھا جائے- مگر انجمن والوں نے اس مشورہ کی قدر نہ کی- جس پر آخر انہیں اسی طرح ناکام رہنا پڑا جیسے آپ نے ان کو قبل از وقت بتلا دیا تھا- خود حضرت علیہ السلام نے اس میموریل کی اعلانیہ مخالفت کی کیونکہ اصولی طور پر اس میموریل کا انجام بصورت منظوری یہ ہونا چاہئے تھا کہ اسلام کا ضعف ثابت ہو آپ نے جواب دینے کے طریق کو مقدم کیا- اور گورنمنٹ نے آپ کے میموریل* کو قدر کی نظر سے دیکھا اس طرح پر آپ نے مسلمانوں کے ایک جائز

* یہ دل آزار کتاب "امہات المؤمنین" ایک عیسائی ڈاکٹر احمد شاہ مرتد نے شائع کی تھی-

* لاہور کی انجمن سے "انجمن حمایت اسلام لاہور" مراد ہے-

* حضرت اقدس علیہ السلام نے ۴ مئی ۱۸۹۸ء کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے پاس یہ میموریل بھیجا تا کہ جب ہزار کاپی اس کتاب کی مسلمانوں میں مفت تقسیم کر کے ان کی دل آزاری کی گئی ہے تو اس کا ضبط کرنا لاحاصل ہے- پادریوں نے ایسی ہزاروں کتابیں لکھ کر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے اس طریقے مباحثہ کی اصلاح ہونی چاہئے اور اس قسم کے دل آزار اور ناپاک کلمات کے استعمال سے حمار وک دینا چاہئے-

حق کی حفاظت کی جو انہیں تبلیغِ اسلام اور اپنے مذہب کے خلاف لکھنے والوں کے جواب دینے کا تھا-

جماعت کی شیرازہ بندی اور مخالفین کی ناکامی

اسی سال آپ نے اپنی جماعت کے شیرازہ کو مضبوط کرنے اور خصوصیات سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے جماعت کے تعلقاتِ ازدواج اور نظامِ معاشرت کی تحریک کی اور جماعت کو ہدایت فرمائی کہ احمدی اپنی لڑکیاں غیر احمدی لوگوں کو نہ دیا کریں-

اسی سال گورنمنٹ کو بھی آپ نے نشان بینی کی دعوت دی- دراصل اسی ذریعہ سے آپ کو عمالِ حکومت پر اپنی تبلیغ کامل طور پر پہنچا دینا مقصود تھا جو علی وجہ الاتم پورا ہو گیا-

۱۸۹۱ء میں آپ نے اپنی جماعت کے بچوں کے لئے ایک ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس میں اپنی جماعت کے طلباء چاروں طرف سے آ کر پڑھیں- جس کی غرض یہ تھی کہ دوسرے سکولوں کے اثرات سے محفوظ رہیں- پہلے سال یہ سکول صرف پرائمری تک تھا لیکن ہر سال ترقی کرتا چلا گیا اور ۱۹۰۳ء میں میٹریکولیشن کے امتحان میں اس کے لڑکے شامل ہوئے-

۱۸۹۹ء میں آپ پر ایک اور مقدمہ حفظِ امن کے متعلق آپ کے دشمنوں نے قائم کیا- لیکن اس میں بھی آپ کے دشمن سخت ذلیل اور ناکام ہوئے اور آپ کو کامیابی حاصل ہوئی-

۱۹۰۰ء میں آپ نے عیسائی مذہب پر ایک اتمامِ حجت کیا- یعنی آپ نے لاہور کے بشپ صاحب کو خدائی فیصلہ کی دعوت دی- مگر باوجودیکہ ملک کے نامی اخبارات نے تحریک کی مگر بشپ صاحب اس مقابلہ میں نہ آ سکے-

جماعت کا نام احمدی رکھنا

۱۹۰۱ء میں مردم شماری ہونے والی تھی اس لئے ۱۹۰۰ء کے اواخر میں آپ نے اپنی جماعت کے نام ایک اعلان شائع کیا کہ ہماری جماعت کے لوگ کاغذاتِ مردم شماری میں

اپنے آپ کو احمدی مسلمان لکھوائیں گویا اس سال آپ نے اپنی جماعت کو احمدی کے نام سے مخصوص کر کے دوسرے مسلمانوں سے ممتاز کر دیا-

مقدمہ انہدامِ دیوار

اس سال آپ کے مخالف رشتہ داروں نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو دکھ دینے کیلئے مسجد کے دروازہ کے آگے ایک دیوار کھینچ دی جس کے سبب نمازیوں کو بہت دور سے پھیر کھا کر آنا پڑتا تھا- اور اس طرح بہت تکلیف اور حرج ہوتا تھا- جب انہوں نے کسی طرح نہ مانا تو مجبور ہو کر جولائی ۱۹۰۱ء میں آپ کو عدالت میں نالش دائر کرنی پڑی اور اگست سنہ مذکور میں وہ مقدمہ آپ کے حق میں فیصل ہوا اور دیوار گرائی گئی اور خرچہ مقدمہ بھی آپ کے مخالفوں پر پڑا لیکن آپ نے ان کو معاف کر دیا-

ریویو آف ریلیجنز کا اجراء

۱۹۰۲ء میں آپ نے ولایت میں تبلیغ اسلام کیلئے ایک ماہوار رسالہ نکالنے کا حکم دیا جو ریویو آف ریلیجنز کے نام سے بفضل خدا اب تک جاری ہے- اس کا ایک ایڈیشن انگریزی اور ایک اردو میں نکلتا ہے اس ریویو کے ذریعہ سے امریکہ اور یورپ میں نہایت احسن طور پر تبلیغِ اسلام ہو رہی ہے اور اس کے زبردست مضامین کی دوست دشمن نے تعریف کی ہے- ابتداء میں علاوہ دیگر ممبران سلسلہ کے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس رسالہ میں مضمون دیا کرتے تھے جو دراصل اردو میں لکھے جاتے تھے- پھر ان کا ترجمہ انگریزی رسالہ میں شائع ہوتا تھا- ان مضامین کا پڑھنے والوں پر نہایت گہرا اثر پڑتا تھا اور یہی مضامین تھے جنہوں نے ریویو کی عظمت پہلے ہی سال میں قائم کر دی تھی-

خطبہ الہامیہ

اس سال عیدالاضحیہ کے موقع پر جو حج کے دوسرے دن ہوتی ہے الہام الٰہی کے ماتحت

ایک تقریر آپ نے فی البدیہہ عربی زبان میں کی- اس وقت ایک عجیب حالت آپ پر طاری تھی اور آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور چہرہ سے نور ٹپکتا تھا اور نہایت پر رعب و ہیبت حالت تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غنودگی کے عالم میں ہیں- یہ تقریر ایسی لطیف اور اس کی زبان ایسی بے مثل ہے کہ بڑے بڑے عربی دان اس کی نظیر لانے سے قاصر ہیں- اور اس کے اندر ایسے ایسے حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے- یہ تقریر خطبہ الہامیہ کے نام سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور سب کی سب عربی زبان میں ہے-

عربی زبان کی ترویج کیلئے اسباق کا سلسلہ

اس زمانہ میں آپ نے اپنی جماعت کو عربی سکھانے کیلئے ایک نہایت لطیف تجویز فرمائی جو یہ تھی کہ نہایت فصیح اور آسان عبارت میں کچھ جملے بنائے جنہیں لوگ یاد کر لیں اور اس طرح آہستہ آہستہ ان کو عربی زبان پر عبور حاصل ہو جائے اور ان فقرات میں یہ خوبی رکھی گئی تھی کہ وہ ایسے امور کے متعلق ہوتے تھے جن سے انسان کو روزمرہ کام پڑتا ہے اور جن میں ایسی اشیاء کے اسماء اور ایسے افعال استعمال کئے جاتے تھے جو انسان روزمرہ بولتا ہے- کچھ اسباق اس سلسلہ کے نکلے لیکن بعد میں بعض زیادہ ضروری امور کی وجہ سے یہ سلسلہ رہ گیا- تاہم آپ اپنی جماعت کے واسطے ایک راہ نکال گئے جس پر چل کر کامیاب ہو سکتی ہے- آپ کا منشاء یہ تھا کہ ہر ایک ملک کی اصل زبان کے علاوہ عربی زبان بھی مسلمانوں کے واسطے مادری زبان ہی کی طرح ہو جائے اور عورت مرد سب اسے سیکھیں تا کہ آئندہ نسلوں کے لئے اس کا سیکھنا آسان ہو- اور بچے بچپن میں ہی اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی زبان سیکھ لیں- اور یہ ارادہ تھا جس کے پورا ہوئے بغیر اسلام اپنی جڑوں پر پوری طرح نہیں کھڑا ہو سکتا- کیونکہ جو قوم اپنی دینی زبان نہیں جانتی وہ کبھی اپنے دین سے واقف نہیں ہو سکتی اور جو قوم اپنے دین سے واقف نہیں وہ کبھی اپنے دشمنانِ دین کے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور جو قومیں دین سے واقف ہونے کے لئے صرف ترجموں پر قناعت کرتی ہیں وہ نہ دین سے واقف رہتی ہیں نہ ان کی کتاب سلامت رہتی ہے کیونکہ ترجمہ آہستہ آہستہ لوگوں کو اصل کتاب کے

مطالعہ سے غافل کر دیتا ہے۔ چونکہ ترجمہ اصل کتاب کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لئے آخر کار وہ جماعت کہیں سے کہیں نکل جاتی ہے۔ آپ کے اس ارادہ کو پورا کرنے کی طرف آپ کی جماعت کی توجہ لگی ہوئی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن کامیابی ہو جائے گی۔

منارۃ المسیح کی بنیاد

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض پیشگوئیوں کی بنا پر کہ مسیح دمشق کے مشرق کی جانب ایک سفید منارہ پر اترے گا ایک منارہ کی بنیاد رکھی تا کہ وہ پیشگوئی لفظاً بھی پوری ہو جائے گو اس پیشگوئی کے حقیقی معنی یہی تھے کہ مسیح موعود کھلے کھلے دلائل اور براہین کے ساتھ آئے گا اور تمام دنیا پر اس کا جلال ظاہر ہو گا اور اس کو بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ کیونکہ علم تعبیر الرؤیا میں منارے سے مراد وہ دلائل ہیں جن کا انسان انکار نہ کر سکے اور بلندی پر ہونے کے معنی ایسی شان حاصل کرنے کے ہیں کہ جو کسی کی نظر سے پوشیدہ نہ رہے اور مشرق کی طرف آنے سے مراد ایسی ترقی ہوتی ہے جسے کوئی نہ روک سکے۔

مقدمہ کرم دین (ازالہ حیثیت عرفی)

۱۹۰۲ء کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک شخص کرم دین نے ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ کیا۔ اور جہلم کے مقام پر عدالت میں حاضر ہونے کیلئے آپ کے نام سمن جاری ہوا۔ چنانچہ آپ جنوری ۱۹۰۳ء میں وہاں تشریف لے گئے۔ یہ سفر آپ کی کامیابی کے شروع ہونے کا پہلا نشان تھا۔ کہ گو آپ ایک فوجداری مقدمہ کی جواب دہی کیلئے جا رہے تھے لیکن پھر بھی لوگوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جس وقت آپ جہلم کے سٹیشن پر اترے ہیں اس وقت وہاں اس قدر انبوہ کثیر تھا کہ پلیٹ فارم پر کھڑا ہونے کی جگہ نہ رہی تھی بلکہ اسٹیشن کے باہر بھی دورویہ سڑکوں پر لوگوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ گاڑی کا گذرنا مشکل ہو گیا تھا۔ حتی کہ افسران ضلع کو انتظام کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑا اور غلام حیدر صاحب تحصیلدار اس اسپیشل ڈیوٹی پر لگائے گئے۔ آپ حضرت صاحب کے

ساتھ نہایت مشکل سے راستہ کراتے ہوئے گاڑی کو لے گئے کیونکہ شہر تک برابر ہجوم خلائق کے سبب راستہ نہ ملتا تھا۔ اہل شہر کے علاوہ ہزاروں آدمی دیہات سے بھی آپ کی زیارت کیلئے آئے تھے۔ قریباً ایک ہزار آدمی نے اس جگہ بیعت کی اور جب آپ عدالت میں حاضر ہونے کے لئے گئے تو اس قدر مخلوق کارروائی مقدمہ سننے کے لئے موجود تھی کہ عدالت کو انتظام کرنا مشکل ہو گیا۔ دور میدان تک لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ پہلی ہی پیشی میں آپ بری کئے گئے اور مع الخیر واپس تشریف لے آئے۔

جماعت کی ترقی اور کرم دین والے مقدمہ کا طول پکڑنا

۱۹۰۳ء سے آپ کی ترقی حیرت انگیز طریق سے شروع ہو گئی اور بعض دفعہ ایک ایک دن میں پانچ پانچ سو آدمی بیعت کے خطوط لکھتے تھے اور آپ کے پیرو اپنی تعداد میں ہزاروں لاکھوں تک پہنچ گئے۔ ہر قسم کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ سلسلہ بڑے زور سے پھیلنا شروع ہو گیا اور پنجاب سے نکل کر دوسرے صوبوں اور پھر دوسرے ملکوں میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا۔

اسی سال جماعت احمدیہ کیلئے ایک دردناک حادثہ پیش آیا کہ کابل میں اس جماعت کے ایک برگزیدہ ممبر کو صرف مذہبی مخالفت کی وجہ سے سنگسار کیا گیا۔

مقدمات کا سلسلہ جو جہلم میں شروع ہو کر بظاہر ختم ہو گیا تھا پھر بڑے زور سے شروع ہو گیا۔ یعنی کرم دین جس نے پہلے وہاں آپ کے خلاف مقدمہ کیا تھا اسی نے پھر گورداسپور میں آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کی نالش دائر کر دی۔ اس مقدمہ نے اتنا طول کھینچا کہ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اس مقدمہ کی کارروائی کے دوران میں ایک مجسٹریٹ بھی بدل گیا اور اس کی پیشیاں ایسے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے رکھی گئیں کہ آخر مجبور ہو کر آپ کو گورداسپور کی ہی رہائش اختیار کرنی پڑی۔

اس مقدمہ کو اس قدر طول دیا گیا تھا صرف تین چار الفاظ پر گفتگو تھی۔ کرم دین نے

آپ کے خلاف ایک صریح جھوٹ بولا تھا- آپ نے اس کی نسبت اپنی کتاب میں کذاب کا لفظ لکھا تھا جس کے معنی عربی زبان میں جھوٹا بھی ہیں اور بہت جھوٹا بھی- اسی طرح ایک لفظ لئیم ہے جس کے معنی کمینہ ہیں- لیکن کبھی ولد الزنا کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے- اور اس کا زور اس بات پر تھا کہ مجھے بہت جھوٹا اور ولد الزنا کہا گیا ہے- حالانکہ اگر ثابت ہے تو یہ کہ میں نے ایک جھوٹ بولا ہے- اس پر عدالت میں ان الفاظ کی تحقیقات شروع ہوئی- اور بعض اس قسم کے اور باریک سوال پیدا ہو گئے جن پر ایسی لمبی بحث چھڑی کہ دو سال ان مقدمات میں لگ گئے دوران مقدمہ میں ایک مجسٹریٹ کی نسبت مشہور ہوا کہ اس کے ہم مذہبوں نے کہا ہے کہ مرزا صاحب اس وقت خوب پھنسے ہوئے ہیں ان کو سزا ضرور دو خواہ ایک دن کی قید کیوں نہ ہو- جن دوستوں نے یہ بات سنی سخت گھبرائے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور نہایت ڈر کر عرض کیا کہ حضور ہم نے ایسا سنا ہے- آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے یہ بات سنتے ہی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ ایک ہاتھ کے سہارے سے ذرا اٹھ بیٹھے اور اٹھ کر بڑے زور سے فرمایا کہ کیا وہ خدا تعالیٰ کے شیر پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے؟ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ دیکھ لے گا کہ اس کا کیا انجام ہے- نہ معلوم یہ خبر سچی ہے یا جھوٹی- لیکن اس مجسٹریٹ کو انہی دنوں وہاں سے بدل دیا گیا- اور باوجود کوشش کے فوجداری اختیارات اس سے لے لئے گئے اور کچھ مدت کے بعد اس کا عہدہ بھی کم کر دیا گیا- اس کے بعد مقدمہ ایک اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا- اس نے بھی نہ معلوم کیوں اس کو بہت لمبا کیا- اور گو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں تو آپ کو کرسی ملتی تھی لیکن اس مجسٹریٹ نے باوجود آپ کے سخت بیمار ہونے کے آپ کو کرسی نہ دی اور بعض دفعہ پیاس کی حالت میں پانی پینے تک کی اجازت نہ دی- آخر ایک لمبے مقدمہ کے بعد آپ پر دو سو روپے جرمانہ کیا اس پر سیشن جج صاحب امرتسر مسٹر ہیری صاحب کی عدالت میں جو ایک یورپین تھے اس فیصلہ کی نگرانی کی گئی- اور جب انہوں نے مقدمہ کی مسل دیکھی تو سخت افسوس ظاہر کیا کہ ایسے لغو مقدمہ کو مجسٹریٹ نے اس قدر لمبا کیوں کیا- اور کہا کہ اگر یہ مقدمہ میرے پاس آتا تو میں ایک دن

میں اسے خارج کر دیتا- کرم دین جیسے انسان کو جو لفظ مرزا صاحب نے استعمال کئے اگر ان سے بڑھ کر بھی کہے جاتے تو بالکل درست تھا- جو کچھ ہوا نہایت ناواجب ہوا- اور انہوں نے دو گھنٹے کے اندر آپ کو بری کر دیا اور جرمانہ معاف کر دیا- اور اس طرح دوسری دفعہ ایک یوروپین حاکم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ حکومت انہی لوگوں کے ہاتھ میں دیتا ہے جن کو وہ اس کے قابل سمجھتا ہے-

اس مقدمہ کا فیصلہ جنوری ۱۹۰۵ء میں ہوا- اور اس فیصلہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے جو وحی آپ پر کئی سال پیشتر مقدمہ کے انجام کی نسبت کی تھی وہ پوری ہوئی-

اس مقدمہ کی کارروائی کو ایک جگہ بیان کرنے کے لئے میں آپ کے دو ضروری سفر چھوڑ گیا ہوں جن میں سے آپ کا پہلا سفر تو لاہور کی طرف تھا جو دوران مقدمہ میں ماہ اگست ۱۹۰۴ء میں ہوا- اس دفعہ آپ لاہور میں پندرہ دن رہے- اس سفر میں بھی چاروں طرف سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے جوق در جوق آئے- اور اسٹیشن پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور تمام عرصہ میں ایک شور پڑا رہا- آپ کی قیام گاہ کے نیچے صبح سے شام تک برابر ایک مجمع رہتا- مخالف آن آن کر گالیاں دیتے اور شور مچاتے- حتی کہ بعض شریروں نے زنانہ مکان میں گھسنے کی بھی کوشش کی- جنہیں زبردستی باہر نکالا گیا- لاہور کے دوستوں کی درخواست پر آپ کا لیکچر مقرر ہوا- جو چھاپا گیا اور ایک وسیع ہال میں وہ لیکچر مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ نے پڑھ کر سنایا- آپ بھی پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے- قریباً سات آٹھ ہزار آدمی تھے- اس لیکچر کے ختم ہونے پر لوگوں نے درخواست کی کہ آپ کچھ زبانی بھی بیان فرمائیں- اس پر آپ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور آدھ گھنٹہ تک ایک مختصر سی تقریر فرمائی- چونکہ یہ ایک تجربہ شدہ بات تھی کہ آپ جہاں جاتے ہر مذہب و ملت کے لوگ آپ کے خلاف جوش دکھلاتے- خصوصاً مسلمان کہلانے والے اس لئے افسران پولیس نے اس دفعہ بہت اعلیٰ انتظام کیا ہوا تھا- دیسی پولیس کے علاوہ یوروپین سپاہی بھی انتظام کے لئے لگائے گئے تھے- جو تلواریں ہاتھ میں لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کھڑے ہوئے تھے-

چونکہ پولیس افسروں کو معلوم ہو گیا تھا کہ بعض جہلاء جلسہ گاہ سے باہر فساد پر آمادہ ہیں اس لئے انہوں نے آپ کی واپسی کے لئے خاص انتظام کر رکھا تھا اور چند سوار کچھ فاصلہ پر آگے آگے چلے جاتے تھے اور پیچھے آپ کی گاڑی تھی - گاڑی کے پیچھے پھر کچھ پولیس کے جوان تھے - اور ان کے پیچھے پھر پولیس کے سوار جن کے پیچھے پیادہ پولیس مین - اس طرح بڑی حفاظت سے آپ کو گھر پہنچایا گیا - اور منصوبہ بازوں کو اپنی شرارت میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی - وہاں سے آپ واپس گورداسپور تشریف لے آئے -

اواخر اکتوبر ۱۹۰۴ء میں آپ گورداسپور کے مقدمات سے گونہ فراغت پا کے قادیان آ گئے -

۲۷/اکتوبر کو سیالکوٹ تشریف لے گئے کیونکہ وہاں کے دوستوں نے باصرار وہاں تشریف لے جانے کی درخواست کی تھی اور عرض کیا تھا کہ آپ اپنی ابتدائی عمر میں یہاں کئی سال رہے ہیں - پس اب بھی جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی ہے ایک دفعہ اس طرف قدم رنجہ فرما کر اس زمین کو برکت دیں - یہ سفر بھی آپ کی کامیابی کا بین ثبوت تھا کیونکہ ہر ایک اسٹیشن پر آپ کی زیارت کے لئے اس قدر مخلوق آئی تھی کہ اسٹیشن کے حکام کو انتظام کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور لاہور کے اسٹیشن پر تو اس قدر ہجوم ہوا کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ختم ہو گئے اور اسٹیشن ماسٹر کو بلا ٹکٹ ہی لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دینی پڑی - جب آپ سیالکوٹ پہنچے تو اسٹیشن سے آپ کی قیام گاہ تک جو میل بھر کے فاصلہ پر تھی برابر لوگوں کا ہجوم تھا - شام کے وقت ٹرین اسٹیشن پر پہنچی تو سواری گاڑیوں میں چڑھتے چڑھاتے دیر لگ گئی اور آپ کی گاڑی ابھی تھوڑی ہی دور چلنے پائی تھی کہ اندھیرا ہو گیا - ہجوم خلائق کے سبب اور رات کے پڑ جانے سے اندیشہ ہوا کہ کہیں بعض لوگ گاڑیوں کے نیچے نہ آ جائیں - چنانچہ پولیس کو اس بات کا خاص انتظام کرنا پڑا کہ آپ کے آگے آگے راستہ صاف رہے - سیالکوٹ کے ایک رئیس اور آنریری مجسٹریٹ پولیس کے ساتھ اس کام پر تھے ان کو

بڑی مشکل اور سختی سے راستہ کرانا پڑتا تھا اور گاڑی نہایت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی - گاڑی کی کھڑکیاں کھول دی گئی تھیں - بازاروں اور گلیوں میں لوگ علاوہ دو رویہ کھڑے ہونے کے دوکانوں کے برآمدے بھی بھرے ہوئے تھے اور بعض تو جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کھڑکیوں کے چھجوں پر چڑھے بیٹھے تھے - تمام چھتوں پر ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپ کی شکل دیکھنے کے لئے ہنڈیاں اور لیمپ جلا رکھے تھے اور چھتیں عورتوں اور مردوں سے بھری پڑی تھیں جو آپ کی گاڑی قریب آنے پر مشعلیں آگے کر کے آپ کی شکل دیکھتے تھے - اور بعض لوگ آپ پر پھول پھینکتے تھے -

لیکچر سیالکوٹ

سیالکوٹ آپ نے پانچ روز قیام فرمایا - اور علاوہ تبلیغ کے جو آپ گھر پر ملنے والوں کو کرتے رہے آپ کا ایک پبلک لیکچر بھی وہاں ہوا - جس وقت لیکچر کا اعلان ہوا اسی وقت سیالکوٹ کے علماء نے بڑے زور سے اعلان کیا کہ کوئی شخص مرزا صاحب کا لیکچر سننے نہ جائے اور یہ بھی فتویٰ دے دیا کہ جو شخص آپ کا لیکچر سننے جائے گا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا (یہ ایک زبردست ہتھیار اس وقت سے علماء ہند کے پاس ہے جس کے ذریعہ سے وہ جاہل مسلمانوں پر اپنی حکومت قائم رکھتے ہیں اور جس کے لئے جھوٹی سچی کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں) اور اس اعلان کو ہی کافی خیال نہ کیا گیا بلکہ جس مکان میں آپ کا لیکچر تھا اس کے مقابل چند مخالف مولویوں نے اپنے لیکچروں کا اعلان کر دیا - تا کہ لوگ آپ کے لیکچروں میں شامل نہ ہونے پائیں - اور باہر کے باہر ہی رک جائیں - علاوہ ازیں کچھ آدمی لیکچر گاہ کے دروازہ پر بھی مقرر کر دیئے کہ اندر جانے والوں کو روکیں اور بتائیں کہ آپ کے لیکچر میں جانا گناہ ہے - اور بعض تو اس حد تک بڑھے کہ آنے والوں کو پکڑ پکڑ کر دوسری طرف لے جاتے تھے - مگر باوجود اس کے لوگ بڑی کثرت سے آئے اور جس وقت لوگوں نے سنا کہ آپ لیکچر گاہ میں تشریف لے آئے ہیں تو مخالف علما کا لیکچر چھوڑ کر وہاں بھاگ آئے اور اس قدر شوق سے لوگوں نے حصہ

لیا کہ سرکاری ملازم بھی باوجود تعطیل کا دن نہ ہونے کے لیکچر میں شامل ہوئے- یہ لیکچر بھی چھپا ہوا ہے- اور مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے پڑھ کر سنایا تھا- دوران لیکچر میں بعض لوگوں نے شور مچانا چاہا- پولیس افسر نے جو ایک یورپین صاحب تھے نہایت ہوشیاری سے ان کو روکا- اور ایک بڑی لطیف بات فرمائی کہ تم مسلمانوں کو ان کے لیکچر پر گھبرانے کی کیا وجہ ہے تمہاری تو یہ تائید کرتے ہیں اور تمہارے رسول کی عظمت قائم کرتے ہیں- ناراض ہونے کا حق تو ہمارا تھا کہ جن کے خدا (مسیح) کی وفات ثابت کرنے پر یہ اس قدر زور دیتے ہیں- غرض افسران پولیس کی ہوشیاری کے باعث کوئی فتنہ و فساد نہ ہوا- اس لیکچر میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو اہل ہنود پر اتمام حجت کرنے کے لئے پبلک میں حیثیت کرشن پیش کیا- جب لیکچر ختم ہو کر گھر کو واپس آنے لگے تو پھر بعض لوگوں نے پتھر مارنے کا ارادہ کیا لیکن پولیس نے اس مفسدہ کو بھی روکا- لیکچر کے بعد دوسرے دن آپ واپس تشریف لے آئے اور اس موقعہ پر بھی پولیس کے انتظام کی وجہ سے کوئی شرارت نہ ہو سکی- جب لوگوں نے دیکھا کہ ہمیں دکھ دینے کا کوئی موقعہ نہیں ملا تو بعض لوگ شہر سے کچھ دور باہر جا کر ریل کی سڑک کے پاس کھڑے ہو گئے اور چلتی ہوئی ٹرین پر پتھر پھینکے- لیکن اس کا نتیجہ سوائے کچھ شیشے ٹوٹ جانے کے اور کیا ہو سکتا تھا-

مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی وفات اور سفر دہلی کے حالات

۱۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو آپ کے ایک نہایت مخلص مرید مولوی عبدالکریم صاحبؓ جو مختلف موقعوں پر آپ کے لیکچر سنایا کرتے تھے ایک لمبی بیماری کے بعد فوت ہوئے اور آپ نے قادیان میں ایک عربی مدرسہ کھولنے کا ارشاد فرمایا- جس میں دین اسلام سے واقف علماء پیدا کئے جائیں- تاکہ فوت ہونے والے علماء کی جگہ خالی نہ رہے- مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے چند روز بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں قریباً پندرہ دن رہے- اس وقت دہلی گو پندرہ سال پہلے کی دہلی نہ تھی جس نے دیوانہ وار شور مچایا تھا لیکن پھر بھی آپ کے جانے پر خوب شور ہوتا رہا- اس پندرہ دن کے عرصہ میں آپ نے دہلی میں کوئی پبلک لیکچر نہ

دیا- لیکن گھر پر قریباً روزانہ لیکچر ہوتے رہے جن میں جگہ کی تنگی کے سبب دو اڑھائی سو سے زیادہ آدمی ایک وقت میں شامل نہ ہو سکتے تھے- ایک دو دن لوگوں نے شور بھی کیا اور ایک دن حملہ کر کے گھر پر چڑھ جانے کا بھی ارادہ کیا لیکن پھر بھی پہلے سفر کی نسبت بہت فرق تھا-

اس سفر سے واپسی پر لدھیانہ کی جماعت نے دو دن کے لئے آپ کو لدھیانہ میں ٹھہرایا اور آپ کا ایک پبلک لیکچر نہایت خیر و خوبی سے ہوا- وہاں امرتسر کی جماعت کا ایک وفد پہنچا کہ آپ ایک دو روز امرتسر بھی ضرور قیام فرمائیں جسے حضرت نے منظور فرمایا اور لدھیانہ سے واپسی پر امرتسر میں اتر گئے وہاں بھی آپ کے ایک عام لیکچر کی تجویز ہوئی- امرتسر سلسلہ احمدیہ کے مخالفین سے پر ہے اور مولویوں کا وہاں بہت زور ہے- ان کے اکسانے سے عوام الناس بہت شور کرتے رہے- جس دن آپ کا لیکچر تھا اس روز مخالفین نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہو لیکچر نہ ہونے دیں- چنانچہ آپ لیکچر ہال میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ دروازہ پر مولوی بڑے بڑے جبے پہنے ہوئے لمبے لمبے ہاتھ مار کر آپ کے خلاف واعظ کر رہے تھے اور بہت سے لوگوں نے اپنے دامنوں میں پتھر بھرے ہوئے تھے- آپ لیکچر گاہ میں اندر تشریف لے گئے اور لیکچر شروع کیا- لیکن مولوی صاحبان کو اعتراض کا کوئی موقعہ نہ ملا جس پر لوگوں کو بھڑکائیں- پندرہ منٹ آپ کی تقریر ہو چکی تھی کہ ایک شخص نے آپ کے آگے چاء کی پیالی پیش کی کیونکہ آپ کے حلق میں تکلیف تھی اور ایسے وقت میں اگر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کوئی سیال چیز استعمال کی جائے تو آرام رہتا ہے- آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ رہنے دو- لیکن اس نے آپ کی تکلیف کے خیال سے پیش کر ہی دی- اس پر آپ نے بھی اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا- لیکن وہ مہینہ روزوں کا تھا- مولویوں نے شور مچا دیا- کہ یہ شخص مسلمان نہیں کیونکہ رمضان شریف میں روزہ نہیں رکھتا- آپ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیمار یا مسافر روزہ نہ رکھے بلکہ جب شفا ہو یا سفر سے واپس آئے تب روزہ رکھے اور میں تو بیمار بھی ہوں اور مسافر بھی- لیکن جوش میں بھرے ہوئے لوگ کب رکتے ہیں- شور بڑھتا گیا اور باوجود پولیس کی کوشش کے فرونہ

ہو سکا- آخر مصلحتاً آپ بیٹھ گئے اور ایک شخص کو نظم پڑھنے کے لئے کھڑا کر دیا گیا- اس کے نظم پڑھنے پر لوگ خاموش ہو گئے- تب پھر آپ کھڑے ہوئے تو پھر مولویوں نے شور مچا دیا- اور جب آپ نے لیکچر جاری رکھا تو فساد پر آمادہ ہو گئے اور سٹیج پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے- پولیس نے روکنے کی کوشش کی لیکن ہزاروں آدمیوں کی رواں سے روکے نہ رکتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر کی ایک لہر ہے جو آگے ہی بڑھتی چلی آتی ہے- جب پولیس سے ان کا سنبھالنا مشکل ہو گیا- تب آپ نے لیکچر چھوڑ دیا- لیکن پھر بھی لوگوں کا جوش ٹھنڈا نہ ہوا- اور انہوں نے سٹیج پر چڑھ کر حملہ آور ہونے کی کوشش جاری رکھی- اس پر پولیس انسپکٹر نے آپ سے عرض کی کہ آپ اندر کے کمرہ میں تشریف لے چلیں اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ بند گاڑی لے آئیں- پولیس لوگوں کو اس کمرہ میں آنے سے روکتی رہی- اور دوسرے دروازہ کے سامنے گاڑی لاکر کھڑی کر دی گئی- آپ اس میں سوار ہونے کے لئے تشریف لے چلے- آپ گاڑی میں بیٹھنے لگے تو لوگوں کو پتہ لگ گیا کہ آپ گاڑی میں سوار ہو کر چلے ہیں- اس پر جو لوگ لیکچر ہال سے باہر کھڑے تھے وہ حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک شخص نے بڑے زور سے ایک بہت موٹا اور مضبوط سونٹا آپ کو مارا- ایک مخلص مرید پاس کھڑا تھا وہ جھٹ آپ کو بچانے کے لئے آپ کے اور حملہ کرنے والے کے درمیان میں آ گیا- چونکہ گاڑی کا دروازہ کھلا تھا سونٹا اس پر رک گیا- اور اس شخص کے بہت کم چوٹ آئی- ورنہ ممکن تھا کہ اس شخص کا خون ہو جاتا- آپ کے گاڑی میں بیٹھنے پر گاڑی چلی- لیکن لوگوں نے پتھروں کا مینہہ برسانا شروع کر دیا- گاڑی کی کھڑکیاں بند تھیں- ان پر پتھر گرتے تھے تو وہ کھل جاتی تھیں ہم انہیں پکڑ کر سنبھالتے تھے- لیکن پتھروں کی بوچھاڑ کی وجہ سے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر وہ گر جاتی تھیں- لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی کے چوٹ نہیں آئی صرف ایک پتھر کھڑکی میں سے گذرتا ہوا میرے چھوٹے بھائی کے ہاتھ پر لگا- چونکہ پولیس گاڑی کے چاروں طرف کھڑی تھی بہت سے پتھر اسے لگے- جس پر پولیس نے لوگوں کو وہاں سے ہٹایا اور گاڑی کے آگے پیچھے بلکہ اس کی چھت پر بھی پولیس مین بیٹھ گئے-

اور دوڑا کر گاڑی کو گھر تک پہنچایا- لوگوں میں اس قدر جوش تھا کہ باوجود پولیس کی موجودگی کے وہ دور تک گاڑی کے پیچھے بھاگے- دوسرے دن آپ قادیان واپس تشریف لے آئے-

وفات کی پیشگوئی اور سلسلہ کا نظام صدر انجمن کا قیام

دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ کو الہام ہوا کہ آپ کی وفات قریب ہے جس پر آپ نے ایک رسالہ "**الوصیة**" لکھ کر اپنی تمام جماعت میں شائع کر دیا اور اس میں جماعت کو اپنی وفات کے قرب کی خبر دی اور ان کو تسلی دی اور الہام الٰہی کے ماتحت ایک مقبرہ بنائے جانے کا اعلان فرمایا اور اسمیں دفن ہونے والوں کے لئے یہ شرط مقرر کی کہ وہ اپنی تمام جائیداد کا دسواں حصہ اشاعت اسلام کے لئے دیں- اور تحریر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ اس مقبرہ میں صرف وہی دفن ہو سکیں گے جو جنتی ہوں گے اور ان اموال کی حفاظت کے لئے جو اس مقبرہ میں دفن ہونے کے لئے لوگ بغرض اشاعت اسلام دیں گے ایک انجمن مقرر فرمائی- اس انتظام کے علاوہ یہ بھی پیشگوئی کی کہ جماعت کی حفاظت اور اس کو سنبھالنے کے لئے خدا تعالیٰ خود میری وفات کے بعد اسی طرح انتظام کرے گا جس طرح پہلے نبیوں کے بعد کرتا رہا ہے اور ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو جماعت کی نگرانی اسی طرح کریں گے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے کی تھی- سلسلہ کی ضروریات تعلیمی و تبلیغی کے لئے "**الوصیة**" کی اشاعت تک مدرسہ اور میگزین کی انتظامی کمیٹیاں تھیں اور مقبرہ کے لئے ایک جدید انجمن تجویز ہوئی- مگر خدام کی درخواست پر ۱۹۰۶ء کے دسمبر میں آپ نے اس انجمن کی بجائے جسے وصیتوں کے اموال کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا تھا ایک ایسی انجمن قائم کر دی جس کے سپرد دینی اور دنیاوی تعلیم کے مدارس' ریویو آف ریلیجنز' مقبرہ بہشتی وغیرہ سب متفرق کام کر دیئے اور مختلف انجمنوں کی بجائے ایک ہی صدر انجمن قائم کر دی-

۱۹۰۷ء میں ستمبر کے مہینے میں آپ کا لڑکا مبارک احمد اس پیشگوئی کے مطابق جو اس کی پیدائش کے وقت ہی چھاپ کر شائع کر دی گئی تھی ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں فوت ہو

گیا۔اسی سال صدر انجمن کی مختلف شہروں میں شاخیں قائم کرنے کی تجویز کی گئی۔دو مرد اور ایک عورت امریکن آپ سے ملنے کے لئے آئے جن سے دیر تک گفتگو ہوئی اور انہیں مسیح کی بعثت ثانیہ کی حکمت اور اصلیت سمجھائی۔

اس سال پنجاب میں کچھ ایجی ٹیشن پیدا ہو گیا۔اس پر آپ نے اپنی جماعت کو گورنمنٹ کا ہر طرح وفادار رہنے کی تاکید فرمائی اور مختلف جگہ پر آپ کی جماعت نے اس شورش کے فرو کرنے میں بلا کسی لالچ کے خدمت کی۔

دسمبر میں آریوں نے لاہور میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی اور سب مذاہب کے لوگوں کو اس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔لیکن یہ شرط رکھی کہ کسی مذہب کے پیروؤں کو دوسرے مذہب پر حملہ کرنے کی اجازت نہ ہو گی اور خود بھی اس پابندی کا اقرار کیا۔آپ سے بھی اس میں شامل ہونے کی درخواست کی گئی تو آپ نے اسی وقت کہہ دیا کہ مجھے تو تجویز میں دھوکے کی بو آتی ہے۔لیکن پھر بھی حجت پوری کرنے کے لئے ایک مضمون لکھ کر اس میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔اس مضمون میں آپ نے بڑے زور سے آریوں کو صلح کی دعوت دی اور نہایت نرمی سے صرف اسلام کی خوبیاں ان کے سامنے پیش کیں۔ہماری جماعت کے قریباً پانچ سو آدمی ٹکٹ خرید کر اس کانفرنس میں شامل ہوتے رہے۔اور ہمارے باعث دوسرے مسلمان بھی شامل ہوتے رہے۔لیکن جب آریوں کی باری آئی تو انہوں نے نہایت گندہ طور پر ہمارے نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیں۔اور برے سے برے الفاظ حضورؐ کی نسبت استعمال کئے۔لیکن ہم آپ کی تعلیم کے ماتحت خاموشی سے ان لیکچروں کو سنتے رہے اور کسی نے اٹھ کر اتنا بھی نہیں کہا کہ ہم سے وعدہ خلافی کی گئی ہے۔

۳۱/ مارچ ۱۹۰۸ء میں سر ولسن صاحب بہادر فنانشل کمشنر صوبہ پنجاب قادیان تشریف لائے۔چونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ پنجاب کا ایک ایسا معزز اعلیٰ عہدیدار قادیان آیا۔آپ نے تمام جماعت کو ان کے استقبال کا حکم دیا۔اور اپنی سکول گراونڈ میں ان کا خیمہ لگوایا۔اور ان کی دعوت بھی کی۔چونکہ آپ کی نسبت آپ کے مخالفین نے مشہور کر رکھا تھا کہ آپ

در پردہ گورنمنٹ کے مخالف ہیں کیونکہ افسران بالا سے باوجود اپنے قدیم خاندانی تعلقات کے کبھی نہیں ملتے۔آپ نے عملی طور پر اس اعتراض کو دور کر دیا۔اور فنانشل کمشنر صاحب سے ملاقات کے لئے خود تشریف لے گئے۔اس وقت آپ کے ساتھ سات آٹھ آدمی آپ کی جماعت کے بھی تھے۔صاحب ممدوح نے نہایت تکریم کے ساتھ اپنے خیمہ کے دروازے پر حضرت مسیح موعودؑ کو ریسیو (Receive) کیا اور آپ سے مختلف امور آپ کے سلسلہ کے متعلق دریافت کرتے رہے۔لیکن اس تمام گفتگو میں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ان دنوں میں مسلم لیگ نئی نئی قائم ہوئی تھی اور حکام انگریزی اس کی کونسی ٹیوشن (Constitution) پر ایسے خوش تھے کہ ان کے خیال میں کانگریس کے نقائص دور کرنے میں یہ ایک زبردست آلہ ثابت ہو گی۔اور بعض حکام روساء کو اشارۃً اس میں شامل ہونے کی تحریک بھی کرتے تھے۔فنانشل کمشنر صاحب بہادر نے بھی بر سبیل تذکرہ آپ سے مسلم لیگ کا ذکر کیا۔اور اس کی نسبت آپ کی رائے دریافت کی۔آپ نے فرمایا۔میں اسے پسند نہیں کرتا۔فنانشل کمشنر نے اس کی خوبی کا اقرار کیا۔آپ نے فرمایا کہ یہ راہ خطرناک ہے۔انہوں نے کہا کہ آپ اسے کانگرس پر قیاس نہ کریں۔اس کا قیام تو ایسے رنگ میں ہوا تھا کہ اس کا اپنے مطالبات میں حد سے بڑھ جانا شروع سے نظر آ رہا تھا لیکن مسلم لیگ کی بنیاد ایسے لوگوں کے ہاتھوں اور ایسے قوانین کے ذریعے پڑی ہے کہ یہ کبھی کانگرس کا رنگ اختیار کر ہی نہیں سکتی۔اس پر آپ کے ایک مرید خواجہ کمال الدین نے جو ووکنگ مشن کے بانی اور رسالہ مسلم انڈیا کے مالک ہیں سر ولسن کی تائید کی اور کہا کہ میں بھی اس کا ممبر ہوں اس کے ایسے قواعد بنائے گئے ہیں کہ اس کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہیں۔مگر دونوں کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے بو آتی ہے کہ ایک دن یہ بھی کانگرس کا رنگ اختیار کرے گی۔میں اس طرح سیاست میں دخل دینے کو خطرناک سمجھتا ہوں۔یہ گفتگو تو اس پر ختم ہوئی لیکن ہر ایک سیاسی واقعات کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ آپ کا خیال کس طرح لفظ بلفظ پورا ہوا۔

اسی سال ۲۶/اپریل کو بوجہ والدہ صاحبہ کی بیماری کے آپ کو لاہور جانا پڑا- جس دن قادیان سے چلنا تھا اس رات کو الہام ہوا :-

"مباش ایمن از بازیٔ روزگار" *

یعنی حوادث زمانہ سے بے خوف مت ہو- اس پر آپ نے فرمایا کہ آج یہ الہام ہوا ہے کہ جو کسی خطرناک حادثہ پر دلالت کرتا ہے- اتفاق سے اسی رات میرے چھوٹے بھائی مرزا شریف احمد بیمار ہو گئے لیکن جس طرح سے ہو سکا روانہ ہوئے- جب بٹالہ پہنچے جو قادیان کا اسٹیشن تھا تو وہاں معلوم ہوا کہ بوجہ سرحدی شورش کے گاڑیاں کافی نہیں اسی لئے گاڑی ریزرو نہیں ہو سکی وہاں دو تین دن انتظار کرنا پڑا- آپ نے اپنے گھر میں فرمایا کہ ادھر الہام متوحش ہوا ہے ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روکیں پڑ رہی ہیں- بہتر ہے کہ یہیں بٹالہ میں کچھ عرصہ کے لئے ٹھہر جائیں- آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی- علاج کے لئے کوئی لیڈی ڈاکٹر یہیں بلالی جائے گی- لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں لاہور ہی چلو- آخر دو تین دن کے انتظار کے بعد آپ لاہور تشریف لے گئے آپ کے پہنچتے ہی لاہور میں ایک شور پڑ گیا- اور حسبِ دستور مولوی لوگ آپ کی مخالفت کے لئے اکٹھے ہو گئے- جس مکان میں آپ اترے ہوئے تھے اس کے پاس ہی ایک میدان میں آپ کے خلاف لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو روزانہ بعد نماز عصر سے لے کر رات کے نو دس بجے تک جاری رہتا- ان لیکچروں میں گندی سے گندی گالیاں آپ کو دی جاتیں اور چونکہ آپ کے مکان تک پہنچنے کا یہی راستہ تھا آپ کی جماعت کو سخت تکلیف ہوتی لیکن آپ نے سب کو سمجھا دیا کہ گالیوں سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا- تم لوگ خاموش ہو کے پاس سے گذر جایا کرو- ادھر دیکھا بھی نہ کرو- چونکہ اس دفعہ لاہور میں کچھ زیادہ رہنے کا ارادہ تھا اس لئے جماعت کے احباب چاروں طرف سے اکٹھے ہو گئے تھے اور ہر وقت ہجوم رہتا تھا اور لوگ بھی آپ سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے-

* بدر جلد ۷ نمبر ۱۷ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۷، الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱

لاہور کے رؤساء کو دعوت اور حضورؑ کی تقریر

چونکہ رؤساء ہند بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ساری دنیا کے رؤساء دین سے نسبتاً غافل ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ان کو کچھ سنانے کے لئے یہ تجویز فرمائی کہ لاہور کے ایک غیر احمدی رئیس کی طرف سے جو آپ کا بہت معتقد تھا رؤساء کو دعوت دی- اور دعوت طعام میں کچھ تقریر فرمائی- تقریر کسی قدر لمبی ہو گئی- جب گھنٹہ کے قریب گذر گیا تو ایک شخص نے ذرا گھبراہٹ کا اظہار کیا- اس پر بہت سے لوگ بول اٹھے کہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں لیکن یہ کھانا (غذائے روح) تو آج ہی میسر ہوا ہے آپ تقریر جاری رکھیں- دو اڑھائی گھنٹہ تک آپ کی تقریر ہوتی رہی- اس تقریر کی نسبت لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنا دعویٰ نبوت واپس لے لیا- لاہور کے اردو روزانہ اخبار عام نے یہ خبر شائع کر دی- اس پر آپ نے اسی وقت اس کی تردید فرمائی اور لکھا کہ ہمیں دعویٰ نبوت ہے 'اور ہم نے اسے کبھی واپس نہیں لیا- ہمیں صرف اس بات سے انکار ہے کہ ہم کوئی نئی شریعت لائے ہیں- شریعت وہی ہے جو آنحضرت ﷺ لائے تھے-

حضور علیہ السلام کا وصال

آپ کو ہمیشہ دستوں کی شکایت رہتی تھی- لاہور تشریف لانے پر یہ شکایت زیادہ ہو گئی- اور چونکہ ملنے والوں کا ایک تانتا لگا رہتا تھا اس لئے طبیعت کو آرام بھی نہ ملا- آپ اسی حالت میں تھے کہ الہام ہوا اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ *- یعنی کوچ کرنے کا وقت آ گیا پھر کوچ کرنے کا وقت آ گیا- اس الہام پر لوگوں کو تشویش ہوئی- لیکن فوراً قادیان سے ایک مخلص دوست کی وفات کی خبر پہنچی اور لوگوں نے یہ الہام اس کے متعلق سمجھا اور تسلی ہو گئی- لیکن آپ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں- یہ سلسلہ کے ایک بہت بڑے شخص کی

* بدر جلد ۷ نمبر ۲۲ مورخہ ۲ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳

نسبت ہے وہ شخص اس سے مراد نہیں-اس الہام سے والدہ صاحبہ نے گھبرا کر ایک دن فرمایا کہ چلو واپس قادیان چلیں- آپ نے جواب دیا کہ اب واپس جانا ہمارے اختیار میں نہیں- اب اگر خدا ہی لے جائے گا تو جا سکیں گے -مگر باوجود ان الہامات اور بیماری کے آپ اپنے کام میں لگے رہے اور اس بیماری ہی میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح و آشتی پیدا کرنے کے لئے آپ نے ایک لیکچر دینے کی تجویز فرمائی اور لیکچر لکھنا شروع کر دیا اور اس کا نام "پیغام صلح" رکھا-اس سے آپ کی طبیعت اور بھی کمزور ہو گئی اور دستوں کی بیماری بڑھ گئی-جس دن یہ لیکچر ختم ہونا تھا اس رات الہام ہوا-

"مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار"*

یعنی نہ رہنے والی عمر پر بھروسہ نہ کرنا- آپ نے اسی وقت یہ الہام گھر میں سنا دیا اور فرمایا کہ ہمارے متعلق ہے-دن کو لیکچر ختم ہوا-اور چھپنے کے لئے دے دیا گیا-رات کے وقت آپ کو دست آیا اور سخت ضعف ہو گیا-والدہ صاحبہ کو جگایا-وہ اٹھیں تو آپ کی حالت بہت کمزور تھی-انہوں نے گھبرا کر پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا ہے ؟ فرمایا وہی جو میں کہا کرتا تھا- (یعنی بیماری موت)اس کے بعد پھر ایک اور دست آیا-اس سے بہت ہی ضعف ہو گیا- فرمایا مولوی نورالدین صاحب کو بلاؤ(مولوی صاحب جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے بہت بڑے طبیب تھے) پھر فرمایا کہ محمود (مصنف رسالہ ہذا)اور میر صاحب (آپ کے خسر) کو جگاؤ- میری چارپائی آپ کی چارپائی سے تھوڑی ہی دور تھی مجھے جگایا گیا-اٹھ کر دیکھا تو آپ کو کرب بہت تھا-ڈاکٹر بھی آ گئے تھے-انہوں نے علاج شروع کیا لیکن آرام نہ ہوا- آخر انجکشن کے ذریعہ بعض ادویات دی گئیں-اس کے بعد آپ سو گئے-جب صبح کا وقت ہوا اُٹھے اور اُٹھ کر نماز پڑھی-گلا بالکل بیٹھ گیا تھا-کچھ فرمانا چاہا-لیکن بول نہ سکے-اس پر قلم دوات طلب فرمائی- لیکن لکھ بھی نہ سکے- قلم ہاتھ سے چھٹ گئی-اس کے بعد لیٹ گئے اور تھوڑی دیر تک

---

* بدر جلد ۷ نمبر ۲۲ مورخہ ۲ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳

غنودگی سی طاری ہو گئی اور قریباً ساڑھے دس بجے دن کے آپ کی روح پاک اس شہنشاہ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئی جس کے دین کی خدمت میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی تھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ-بیماری کے وقت صرف ایک ہی لفظ آپ کی زبان مبارک پر تھا اور وہ لفظ اللہ تھا-

آپ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح تمام لاہور میں پھیل گئی- مختلف مقامات کی جماعتوں کو تاریں دے دی گئیں اور اسی روز شام یا دوسرے دن صبح کے اخبارات کے ذریعہ کل ہندوستان کو اس عظیم الشان انسان کی وفات کی خبر مل گئی جہاں وہ شرافت جس کے ساتھ آپ اپنے مخالفوں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے ہمیشہ یاد رہے گی وہاں وہ خوشی بھی کبھی نہیں بھلائی جا سکتی جس کا اظہار آپ کی وفات پر آپ کے مخالفوں نے کیا-لاہور کی پبلک کا ایک گروہ نصف گھنٹہ کے اندر ہی اس مکان کے سامنے اکٹھا ہو گیا-جس میں آپ کا جسم مبارک پڑا تھا-اور خوشی کے گیت گا گا کر اپنی کورباطنی کا ثبوت دینے لگا-بعضوں نے تو عجیب عجیب سوانگ بنا کر اپنی خباثت کا ثبوت دیا-

آپ کے ساتھ جو محبت آپ کی جماعت کو تھی اس کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بہت تھے جو آپ کی نعش مبارک کو صریحاً اپنی آنکھوں کے سامنے پڑا دیکھتے تھے مگر وہ اس بات کے قبول کرنے کو تیار تھے کہ اپنے حواس کو تومختل مان لیں لیکن یہ باور کرنا انہیں دشوار و ناگوار تھا کہ ان کا حبیب ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا- پہلے مسیح کے حواریوں اور اس مسیح کے حواریوں کی اپنے مرشد کے ساتھ محبت میں یہ فرق ہے کہ وہ تو مسیح کے صلیب پر سے زندہ اتر آنے پر حیران تھے اور یہ اپنے مسیح کے وصال پر ششدر رتھے- اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مسیح زندہ کیونکر ہے اور اِن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مسیح فوت کیونکر ہوا آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک شخص جو خاتم النبیین ہو کر آیا تھا اس کی وفات پر نہایت سچے دل سے ایک شاعر نے یہ شعر صداقت سے بھرا ہوا شعر کہا تھا کہ :-

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ
مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

ترجمہ :-"کہ تو میری آنکھ کی پتلی تھا- تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہو گئی-اب تیرے بعد کوئی شخص پڑا مرا کرے ہمیں اس کی پروا نہیں کیونکہ ہم تو تیری ہی موت سے ڈر رہے تھے-"

آج تیرہ سو سال کے بعد اس نبیؐ کے ایک غلام کی وفات پر پھر وہی نظارہ چشم فلک نے دیکھا کہ جنہوں نے اسے پہچان لیا تھا ان کا یہ حال تھا کہ یہ دنیا ان کی نظروں میں حقیر ہو گئی اور ان کی تمام تر خوشی اگلے جہان میں ہی چلی گئی بلکہ اب تک کہ آٹھ سال گذر چکے ہیں ان کا یہی حال ہے اور خواہ صدی بھی گذر جائے مگر وہ ان کو کبھی نہیں بھول سکتے جب کہ خدا تعالیٰ کا پیارا رسول ان کے درمیان چلتا پھرتا تھا-

درد انسان کو بیتاب کر دیتا ہے اور میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا ذکر کر کے کہیں سے کہیں چلا گیا- میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ساڑھے دس بجے آپ فوت ہوئے اسی وقت آپ کے جسم مبارک کو قادیان میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا اور شام کی گاڑی میں ایک نہایت بھاری دل کے ساتھ آپ کی جماعت نعش لے کر روانہ ہوئی اور آپ کا الہام پورا ہوا جو قبل از وقت مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا تھا کہ "ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں*"-

بٹالہ پہنچ کر آپ کا جنازہ فوراً قادیان پہنچایا گیا اور قبل اس کے کہ آپ کو دفن کیا جاتا قادیان کی موجودہ جماعت نے (جن میں کئی سو قائم مقام باہر کی جماعتوں کا بھی شامل تھا) بالاتفاق آپ کا جانشین اور خلیفہ حضرت مولوی حاجی نورالدینؓ صاحب بھیروی کو تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی- اور اس طرح **"الوصیة"** کی وہ شائع شدہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ جیسے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کھڑے کئے گئے تھے- میری جماعت کے لئے بھی خدا تعالیٰ اسی رنگ میں انتظام فرمائے گا- اس کے بعد خلیفہ وقت نے آپ کا

* بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳

الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱

جنازہ پڑھا اور دو پہر کے بعد آپ دفن کئے گئے اور اسی طرح آپ کا وہ الہام (کہ "ستائیس کو ایک واقعہ ہمارے متعلق") جو ۱۹۰۲ء* میں ہوا اور مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا تھا پورا ہوا- کیونکہ ۲۶ مئی کو آپ فوت ہوئے اور ۲۷ تاریخ کو آپ دفن کئے گئے اور اس الہام کے ساتھ ایک اور الہام بھی تھا- جس سے اس الہام کے معنی واضح کر دیئے گئے تھے- اور وہ الہام یہ تھا- "وقت رسید*" یعنی تیری وفات کا وقت آ گیا ہے-

آپ کی وفات پر انگریزی و دیسی ہندوستان کے سب اخبارات نے باوجود مخالفت کے اس بات کا اقرار کیا کہ اس زمانہ کے آپ بہت بڑے شخص تھے-

☆☆☆

* مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم حصہ اول صفحہ ۴۵

* بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۶ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۷ء

Printed by
RAQEEM PRESS

Islamabad, Sheephatch Lane Tilford, U.K.

SEERAT

HAḌRAT MASĪH MAU`ŪD *Alaihis - salām*

(Life of the promised Messiah (a.s.s))

By

Haḍrat Mirza Bashīr -ud- dīn Mahmūd Ahmad

Khalifa -tul- Masih II

Language:- *Urdū*

In this booklet different aspects of the life of the founder of Ahmadiyya Jama`at have been described.